جلد 2 شمارہ 6 اگست 2000ء جمادی الاول 1421ھ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل واعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

فلاح

آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 2 شمارہ 6 اگست 2000ء جمادی الاول 1421ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی شعبہ سرکولیشن وحید احمد

قیمت ——— -/15 روپے سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

عبدالقیوم ہاشمی

تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519

E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

محترم قارئین و برادران سلسلہ! گذشتہ تین برس سے مجلّہ "فلاح آدمیت" ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مجلّہ کی زینت میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ ماہ جون سے مجلّہ کا ٹائٹل بھی بدل دیا گیا ہے۔ ماہ جون کا مجلّہ ملک گیر ہڑتال کی وجہ سے بروقت شائع نہ ہو سکا۔ جس کے لئے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ مجلّہ کی اشاعت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ کو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا بہتر انداز میں تعارف ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ ایمان افروز اور اسلامی امنگوں کو اجاگر کرتے والے آرٹیکل بھی آپ کے زیر مطالعہ آئیں۔ قارئین "مجالس فقیر" ، "صدائے فقیر" ، "خواجہ کے خطوط" اور حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے اقتباسات پہ مبنی سلسلہ وار مضامین کو بے حد پسند کر رہے ہیں۔

حال ہی میں ہم نے مجلّہ کی رنگارنگی اور تنوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے دو مزید موضوعات کو مجلّے میں شامل کیا ہے یعنی "آدمیت کے نام" اور "سائنس و ٹیکنالوجی" جو انشاء اللہ سلسلہ وار جاری رہیں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ مجلّہ کو اس نہج پر ڈالا جائے جو ہر مکتبہ فکر کی علمی و روحانی تسکین کا سامان مہیا کرے۔ فرقہ ورانہ مباحث پہ مبنی آرٹیکل شائع نہیں کئے جاتے بلکہ محبت و اخوت کی فراوانی ہمارا مطمع نظراور پالیسی ہے

آخر میں میں مجلّہ کے تمام ارکان سے گذارش کرونگا کہ ماہ ستمبر سے مجلّہ کیاشاعت کا چوتھا سال شروع ہو جائے گا۔ اس لئے براہ کرم اگلے سال کا مجلّہ فنڈ سب بھائی جلد از جلد روانہ کر دیں تاکہ اصلاح و فلاح کے مشن کو فروغ حاصل ہو۔ برادران سلسلہ کو چاہیے کہ مجلّہ "فلاح آدمیت" کو اپنے عزیزو اقارب میں بھی متعارف کروائیں ادارہ فلاح آدمیت آپ کے بھرپور تعاون کا منتظر ہے۔ شکریہ۔

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

(پروفیسر قاضی حلیم فضلی)

بخیلی اور کنجوسی

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى (الیل '۸ تا ۱۱)

ترجمہ! جس کسی نے بخل' کنجوسی سے کام لیا۔ خدا سے بے نیازی برتی۔ نیکی اور بھلائی کو جھٹلا دیا' اسے مشکل راستہ کی سہولت دی جائے گی یعنی زندگی کی مشکل راہوں پر ڈال دیا جائے گا۔ جس مال کی خاطر وہ خدا سے بے نیاز ہوا وہ اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔

تفسیر و تشریح

قرآن کریم کے تیسویں ۳۰ پارہ میں واقع سورہ والیل کی یہ مختصر آیت ہے اس سے پہلے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کا ذکر ہے اور اس آیت میں بخیلی اور کنجوسی سے کام لینے والوں کا ذکر ہے۔ گویا آگے پیچھے دو آیات میں انسانوں کے دو مختلف گروہوں کے مختلف رویوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ گروہ اور اس کا رویہ ہے کہ وہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے۔ تقوٰی داری اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کی تصدیق اپنے عمل سے کرتا ہے تو ان کی یا اس گروہ کے انسانوں کی زندگی کی راہوں کو خداوند تعالٰی آسان بنا دیتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو بخیلی اور کنجوسی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ خدا کے راستہ میں مال خرچ نہیں کرتا' خداوند تعالٰی کے ساتھ مال خرچ کرنے کا تعلق نہیں رکھتا' بے نیازی برتتا ہے اور بھلائی کے کاموں میں نہ صرف عملی لحاظ سے شریک نہیں ہوتا اور اسے گویا جھٹلاتا ہے بلکہ نیکی اور بھلائی کو سرے سے مانتا ہی نہیں اور نہ نیکی اور بھلائی کے بہتر انجام اور خدا کی طرف سے صلے کے قائل ہوتے ہیں تو انہیں خداوند تعالٰی زندگی کی مشکل راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔

اس دوسرے کردار والے گروہ کے افراد انتہائی درجہ کے بخیل اور کنجوس ہوتے ہیں۔ اپنی مالداری' دولتمندی اور دو چار پیسوں کے غرور میں مبتلا ہو کر خدا کی ذات سے بے نیاز و بے پرواہ ہو کر خدا کو بھول بیٹھتے ہیں۔ وہ چونکہ اپنی فطرت سے لڑ کر بخیلی کا راستہ اختیار کرتے ہیں' خدا کے قانون سے جنگ کرتے ہیں' معاشرتی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر قسم کے معاشرتی روابط' خاندانی تعلقات اور قومی و ملکی تقاضوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں کو ترسا ترسا کر پالتے ہیں تو اس کے نتیجے میں اسے ہر طرف سے نفرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سچ کی حمایت اور بھلائی کے امور میں

شریک کار نہیں ہوتا تو ایسے افراد کو رشتہ دار' خاندان اور معاشرتی لوگ اکیلا چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنی زندگی کی مشکلات میں تن تنہا رہ جاتے ہیں' خود اپنی نظروں میں ذلیل ہوتے ہیں تو ایسے حالات میں ان کی زندگی کی راہیں خودبخود اس کے اپنے رویے کے باعث تنگ اور دشوار ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بھلائی کی توفیق ان سے سلب ہو جاتی ہے۔ بدی اور برائی کے دروازے ان پر کھل جاتے ہیں۔ بدی کرنا آسان اور نیکی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر

زمانے کی نظر سے گر کے نازش زیست ممکن ہے
مگر وہ کیا کرے جو اپنی ہی نظروں سے گر جائے

معاشرتی اثرات

ایسے افراد کے گھریلو حالات کا مطالعہ کریں تو بخیل و کنجوس آدمی کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ کنجوسی کی وجہ سے اس کی اپنی اولاد اس کے چولہے کے سرد رہنے کی وجہ سے اس چولہے پر پرورش نہیں پا سکتی۔ جو کسی خاندان اور گھریلو تعلقات کی شیرازہ بندی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اولاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ بچوں کے دلوں میں ماں باپ سے پرورش اور محبت کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ اپنے گھر اور گھریلو معاملات میں دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ ماں باپ سے مربیانہ تعلق نہ ہو' اچھا کھلانے پلانے اور عمدہ تربیت کا لگاؤ نہ ہو' محبت اور مٹھاس کا سلوک نہ ہو تو قدرتی طور پر نہ والدین سے محبت ہو گی نہ گھریلو معاملات سے دل چسپی ہو گی۔ بخیل اور کنجوس گھرانوں کی اولاد پولٹری فارم کے مصنوعی پیدا شدہ اور پرورش یافتہ چوزے ہوتے ہیں' جنہیں نہ ماں کے سینے کی گرمی نصیب ہوتی ہے نہ ذرا ذرا سی چیز پا کر انہیں بلانے اور کھلانے کے جذبہ ایثار و محبت اور قربانی کا اندازہ ہوتا ہے' نہ والدین کی نگرانی و پرورش کے زیر سایہ اکٹھے بڑے ہو کر باہمی محبت' میل جول' باہمی خیر خواہی و خیر اندیشی کے جذبات و احساسات ابھرتے ہیں۔ وہ ایک ہی گھر کی چار دیواری میں پل کر بڑے ہونے' اپنے چولہے پر خاندانی و رشتہ داری کی مہمان نوازیوں' مسافر نوازیوں اور شہری و پڑوسی سے لین دین' برت برتاؤ سے نابلد ناآشنا ہوتے ہیں تو قدرتی طور پر بخیلی و کنجوسی کے اس گھریلو ماحول کے تحت معاشرتی بھائی چارے' محبت و ہمدردی اور باہمی خوشگوار سلوک سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔ اپنے گھر میں ان کی مثال کسی بارک کے سپاہی اور ہاسٹل کے روم کی سی ہوتی ہے کہ اکٹھے تو رہتے ہیں' لیکن باہمی مفادات ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہوتے ہیں۔

ایسے افراد اپنی بخیلی و کنجوسی کے باعث نہ اپنی اولاد پر کوئی مضبوط اخلاقی گرفت رکھ سکتے ہیں نہ ترجیحی حقوق کی عدم ادائیگی کے باعث انہیں کسی خاندانی معاملات میں مجبور کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں عائلی زندگی اور خاندانی بندھنوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور ہر شخص اپنے معاملات میں آزاد ہو جاتا ہے۔ مغربی

تہذیب اور کلچر میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اولاد بلوغت کے سرٹیفکیٹ کے بعد ذاتی معاملات میں خود مختار تصور ہوتی ہے۔ والدین گھر کے کرائے اور گھریلو اخراجات میں انہیں شریک کرتے ہیں اور یوں وہاں خاندانی زندگی کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔

ہمارے ہاں کنجوس والدین کے اکثر گھرانوں میں یہی ہوتا دیکھا ہے کہ والدین اولاد کی شادی کے معاملات میں لاتعلق ہوتے ہیں اولاد من پسند رشتوں میں منسلک ہو جاتی ہے جو آگے چل کر اس خاندان بالخصوص ان گھروں میں مخلوط نسل اجنبیت اور غیرت، خاندانی اقدار و روایات اور نسلی و نسبی خصوصیات سے محرومی کا شکار ہو جاتی ہے جو طرح طرح کی گھریلو پریشانیوں اور تفکرات کا سبب ہوتا ہے۔ آجکل ہم اسی قسم کی معاشرتی اور خاندانی دشواریوں سے دوچار ہیں اور خدا کے فرمان کے مطابق فسنیسرہ للعسریٰ کے عذاب میں مبتلا ہیں۔

پھر سماجی معاملات اور عمرانی علوم کے ماہرین یہ بھی جانتے ہوں گے کہ بخیل و کنجوس کے گھریلو ماحول میں پرورش پانے والی بچیاں اپنے والدین کے گھروں میں خاندانی روابط سے ناواقفی و ناآشنائی کے نتیجے میں اور والدین کی کنجوسی کی وجہ سے مہمان نوازی کے آداب اور کھانا پکانے اور خورد و نوش کے مختلف طریقوں کے عملی تجربات سے قطعاً بیگانہ ہوتی ہیں وہ جب بھی دلہن بن کر دوسرے گھروں میں جاتی ہیں تو رشتہ داری کی خاطرداریوں اور مہمان نوازی کے سلوک سے اپنی نااہلی کی وجہ سے دولہا میاں کو الگ تھلگ رہنے پر مجبور کرتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گھرانہ اپنی بہو سے جو توقعات وابستہ کئے ہوئے ہوتا ہے ان کا خواب بکھر جاتا ہے۔ وہ خاوند کا ہاتھ پکڑ کر الگ ہو جاتی ہے، اگر خاوند کھاتا پیتا افسر ہے تو خانساموں اور بیروں کی دست نگر ہوتی ہیں جس سے مزید جنسی سکینڈل جنم لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو بھی یہ خاوند بیوی اپنی دنیا الگ آباد کر کے خاندانی روابط اور تعلقات سے کٹ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

آجکل ہر گھرانہ اور ہر خاندان انہی مسائل سے دوچار ہے۔ ان مسائل کی تہ میں غور سے دیکھا جائے تو بخیل و کنجوسی کے جراثیم کلبلاتے نظر آئیں گے۔ اسی لئے ہماری زندگی کی راہیں دشوار تر اور مشکل تر ہوتی جا رہی ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنے محدود وسائل، محدود آمدن اور قلیل ذرائع معاش کے باوجود اتنے فیاض، اتنے وسیع القلب اور اتنے سخی ہوتے تھے کہ سارا کنبہ اور سارا خاندان ایک ہی گھر، ایک ہی چار دیواری اور ایک ہنڈیا اور ایک ہی چنگیر میں مل جل کر رہتے اور ہنسی خوشی کھاتے اور زندگی بسر کرتے تھے اور ایسے مل جل کر رہنے والے گھروں میں پرورش پانے والے بچے خاندان کے تمام رشتوں سے متعارف ہی نہ ہوتے بلکہ احترام و محبت کی فضا قائم رہتی تھی، روکھی سوکھی کھاتے تھے مگر کسی کے ماتھے پر کوئی شکن نہ تھی، نہ سازش، نہ نفرت و بیزاری کے سائے تھے۔

آج آمدنی وسائل بھی زیادہ ہیں' اشیا خوردنی کی بھی فراوانی ہے' پیسہ بھی عام ہے' برتنوں کے کئی کئی سیٹ گھروں میں موجود ہیں۔ گھروں کے صحن بھی کناروں پر پھیل گئے ہیں۔ ایک گھر میں کمانے والے بھی زیادہ ہیں' بیرونی پیسے کی بھی فروانی ہے' مگر اس سب کے باوجود دلوں کے دائرے تنگ' سوچوں کے زاویے محدود اور نظروں کے فاصلے سمٹ کر اپنی ذات میں لوٹ گئے ہیں۔ اجتماعیت کی سوچ نے انفرادیت کا روپ دھار لیا ہے۔ مل کر جینے اور مل کر مرنے کی بجائے خود مرنے اور اکیلے جینے کی آرزو پیدا ہو گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے اندر ذاتی مفاد' انفرادی منافع اور ذاتی آرام و آسائش کی ہوس اور لالچ پیدا ہو گئی ہے۔ اپنے مال کی ہوس اور ذات کے لئے کمانے اور کھانے کا شوق بڑھ گیا ہے اور آج کا ہمارا معاشرہ اسی انتشار و افتراق کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔

بخیلی و کنجوسی کیا ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ ہر شخص پیسہ جوڑتا ہے' نہ خود کھاتا ہے' نہ بیوی بچوں کو کھلاتا ہے' نہ رشتہ داروں پر خرچ کرتا ہے۔ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے کا خیال پختہ ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی ذات پر' اپنے عیش و آرام پر' اپنی امارت کے اظہار پر دل کھول کر خرچ کرے' مگر رشتہ داروں کی ذمہ داریوں' خاندانی افراد کی ضرورتوں' محتاجوں کی خبر گیریوں' ملکی مفادات' رفاہی معاملات' نیکی کے کاموں کے لئے اس کی جیب سے پیسہ برآمد کرنا مشکل ہے۔ نکلتا بھی ہے تو شہرت و نمود کے لئے' حاکموں تک رسائی کے لئے' ذاتی مفاد کے لئے خدا کی خوشنودی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ دنیاوی زندگی میں سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اکیلا و تنہا ہوتا ہے' غریب و مسکین ہوتا ہے اور آخرت میں خدا کا مجرم ہوتا ہے۔

سورہ ماعون

قیامت کے دن جب ایسے لوگوں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا تو اس کا سبب یہ بتائیں گے کہ ولا یحض علی طعام المسکین فویل للمصلین۔ ہم غریبوں مسکینوں کو کھانا نہ کھلاتے تھے اور ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ ان کی یہی بخیلی و کنجوسی کا ذکر دوسرے مقام پر یوں ہے کہ فذلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی کنجوسیوں کی وجہ سے یتیموں کو دھکے مارتے ہیں اور دولت کے لالچ میں ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور ناداروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔

سورہ ھمزہ سورہ ھمزہ میں بخیل اور کنجوس لوگوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ الذی جمع مالا و عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنا مال جمع کرتے ہیں اور گنتے رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مال ہمیشہ ان کے پاس رہے گا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو گا بلکہ حطمۃ کی آگ میں

حقیر سمجھ کر پھینک دیا جائے گا۔ الحطمہ کی تشریح یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسی آگ ہے جسے خدا نے ان کے دلوں پر بھڑکا دیا ہے۔ آگ ان کے شعور اور اک اور دلوں تک پھیل جائے گی۔ قرآن کریم میں بخیلوں کے لئے بھڑکائی ہوئی آگ کو اپنی بھڑکائی ہوئی آگ فرمایا جس سے غصے اور نفرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سورہ المنافقون میں فرمایا گیا ہے وانفقو مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الیا جل قریب فاصدق واکن من الصلحین تم خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو پھر اس وقت وہ کہے گا کہ خدایا مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں تمہارے احکامات کی عمل سے تصدیق کروں اور نیکو کار بن سکوں۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ھو خیرالھم بل ھو شرلھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمہ جو لوگ خدا کے فضل اور مہربانی سے انہیں دیئے ہوئے مال میں سے بخل سے کام لے کر خرچ نہیں کرتے وہ اسے اپنے لئے بہتری سمجھتے ہیں بلکہ یہ طرز عمل ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ قیامت کے دن کنجوسی سے کام لے کر بچایا ہوا مال ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ بما اتھم اللہ من فضلہ کے الفاظ قابل غور ہیں کہ یہ مال و دولت انہیں خدا نے اپنی مہربانی سے دی ہوتی ہے اور خدا کی دی ہوئی دولت کو اس کے راستہ میں نہ خرچ کرنا سراسر بددیانتی اور ناشکری ہے۔

سورہ نساء میں اسی قسم کے الفاظ میں یوں تنبیہ کی گئی ہے۔ الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ویکتمون ما اتھم اللہ من فضلہ واعتدنا للکفرین عذابا مھینا وہ لوگ جو خود بھی بخیلی سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بخیلی کا حکم دیتے ہیں انہیں بخیلی کی تربیت دیتے ہیں اور خدا کے فضل اور مہربانی سے انہیں ملے ہوئے مال کو چھپاتے پھرتے ہیں' خود کو نادار اور غریب بتاتے ہیں۔ خدا کے دیئے ہوئے مال کو ہوا لگنے نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہوا ہے' کیونکہ یہ خدا کی دی ہوئی دولت کے ناشکرے ہوتے ہیں۔ ان کی مثال نہر کے دھانے پر پڑے ہوئے پتھر کی ہوتی ہے جو خود بھی پانی سے فائدہ نہیں لے سکتا اور کھیتوں کو بھی پانی سے سیراب ہونے نہیں دیتا یا خزانے کے سانپ ہوتے ہیں۔

ہمارے تجربات اور مشاہدے میں ایسے کئی لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے ساری عمر کنجوسی اور بخیلی کے سبب سے دولت جوڑ جوڑ کر رکھی مگر جب ان کی آنکھیں بند ہوئیں تو کنجوسی کے رویہ سے ترسی ہوئی دولت کی بھوکی اولاد نے اسے بے دردی سے اور ایسی بے قدری سے خرچ کیا اور گلچھرے اڑائے

کہ بہت تھوڑے عرصہ میں اسے برابر کر دیا اور انہیں اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ والدین کی کمائی سے ان کے لئے خیرات کر سکیں۔

باغ والوں کا قصہ

سورہ قلم میں خداوند تعالیٰ نے باغ والوں کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ شہر صنعاء سے تھوڑے فاصلے پر ایک باغ تھا جس کا مالک بڑا سخی تھا۔ جب باغ کا پھل پک جاتا تو محتاجوں' غریبوں اور مسکینوں کا سیلہ لگ جاتا۔ باغ کا مالک ضرورت کا پھل رکھ کر باقی ساری فصل لوگوں میں بانٹ دیتا۔ جب تک وہ زندہ رہا اس کا یہی معمول تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ وہ فوت ہوا تو اس کے بیٹوں نے فیصلہ کیا کہ ہمارے باپ نے خواہ مخواہ لوگوں کو مفت خورے بنا دیا ہے اور ساری فصل ان میں تقسیم کرتا رہا' جس سے خاندان کو مالی خسارہ ہوتا رہا۔ ہم ایسا کریں گے کہ صبح سویرے منہ اندھیرے سارے پھل توڑ لائیں گے اور لوگوں کے جمع ہونے سے پہلے باغ میں فصل موجود نہ ہو گی۔ اس فیصلے پر اتفاق کر کے وہ سو گئے۔ صبح سویرے پروگرام کے مطابق باغ کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں باغ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ راتوں رات جل کر تباہ ہو گیا۔ خدا کی حدود اور احکام کی پابندی نہ کرنے والے جلد مارے جاتے ہیں جگہ وہی تھی' مقام بھی وہی' آثار و علامات بھی وہی' مگر باغ کا پتہ تک نہ تھا' شبہ ہوا کہ غلط جگہ پر آ گئے' راستہ غلط ہو گیا' مگر سوچتے تو یہی معلوم ہوتا کہ جگہ وہی ہے۔ ان میں سے ایک بھائی سمجھدار تھا اس نے کہا میں نہ کہتا تھا کہ غریبوں' محتاج لوگوں کا حق مارنے کا فیصلہ نہ کرو۔ تم نے میری بات نہ مانی' اب اپنی کنجوسی اور بخیلی کی سزا بھگتو' دوسرے بھائیوں کو بھی غلطی کا احساس ہوا اور باہمی مشورہ کیا کہ آؤ خلوص دل سے توبہ کریں اور خدا کے حضور گڑ گڑا کر دعا کریں کہ خدایا ہمارا قصور معاف کر دے ہم اپنے باپ کا عمل جاری رکھیں گے۔ ہم سے ہمارا چھینا ہوا باغ واپس دے دے۔ چنانچہ انہوں نے صدق دل سے توبہ کی اور دعا مانگی۔ خداوند تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں بدلے میں ایسا باغ دیا کہ خچر لاد لاد کر انگور باہر جاتے اور ان کی حالت یہ ہوئی کہ اپنی ضرورت سے زیادہ سب خدا کی راہ میں دے دیتے۔

واقعات و امثال

دولت خدا کی آزمائش ہوتی ہے۔ اسلام نے اسی لئے اسے خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ صدقہ و خیرات کرنا' صلہ رحمی کرنا' مدرسے' پل' مسجدیں اور کنوئیں بنانا' دینی مدرسوں پر اسے خرچ کرنا' مخلوق خدا کی سہولت اور بہتری کے کاموں میں لگانا۔ اس دولت کا صحیح مصرف بھی ہے اس دولت کا شکر بھی ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب بھی ہے۔ قرآن کریم میں باغ والوں کے قصے سے یہی نصیحت ملتی ہے۔ بخیلی اور کنجوسی کا رویہ اختیار کرنے والوں سے خداوند تعالیٰ اپنی دی ہوئی دولت اور نعمت چھین بھی سکتا ہے۔

۱۔ کہتے ہیں خدا کا ایک بندہ پریشانیوں میں گھر گیا اور مجبور ہو کر ایک کنجوس دولت مند کے دروازے پر گیا۔ اپنی مجبوری بیان کی۔ دولت مند کو اپنی دولت کا غرور بھی تھا اور اخلاق بھی نہیں۔ اس نے بجائے امداد کے انکار کیا بلکہ دھکے دے کر نکلوا دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ گردش ایام نے اس کی دولت چھین لی اور کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ ادھر وہ پریشان حال مانگنے والا اپنی محنت و مشقت سے بہت مالدار ہو گیا۔ قدرت کا کرنا دیکھئے کہ وہی مالدار کوڑی کوڑی کا محتاج ہو کر اس غریب کے دروازے پر گیا جو اب خدا کے فضل سے مالدار تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا، زوروں کی بارش ہو رہی تھی اور یہ شخص سردی سے ٹھٹھرا ہوا، بارش سے بھیگا ہوا دروازے پر آیا اور دستک دی۔ مالک مکان باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک مفلوک الحال شخص فاقہ زدہ، سخت سردی سے کانپتا ہوا کھڑا ہے۔ آنے کا مقصد پوچھا تو بتایا کہ دنوں کا فاقہ ہے خدا کے لئے روٹی کا ٹکڑا دے دو۔ مالک مکان نے کہا ضرور دیا جائے گا اندر آؤ۔ ملازم کو آواز دی یہ مہمان آیا ہوا ہے اسے بٹھاؤ اور پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔ ملازم کھانا دے کر آیا تو غمگین تھا مالک نے سبب پوچھا تو بتایا کہ یہ میرا پرانا مالک تھا جو لاکھوں میں کھیلتا تھا مگر کنجوس تھا۔ مالک نے سنا تو روشنی میں جا کر دیکھا تو یہ وہی شخص تھا جس نے اس کو غربت کے دنوں میں دھکے دے کر بھگا دیا تھا۔ اسے یاد دلایا تو اس نے اعتراف کیا کہ ہاں میں وہی بدبخت ہوں جس نے بخیلی اور کنجوسی اختیار کی تو دولت نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ قرآن کریم میں مانگنے والوں کے متعلق تاکید کی ہے کہ اسے جھڑکا نہ کرو۔ واما السائل فلا تنھر واما بنعمت ربک فحدث سوال کرنے والے غریب اور محتاج کو جھڑکا نہ کرو اور خدا کی دی ہوئی دولت اور نعمت کا شکر ادا کیا کرو۔ خدا کی نعمت کا شکر یہی ہے کہ اسے حاجتمندوں اور غریبوں کی خبر گیری اور مالی امداد میں خرچ کرو، خود کھا کر ڈکار مارنے اور الحمد للہ کہہ دینے سے تحدیث نعمت کا حق ادا نہیں ہوتا۔

۲۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ طواف فرما رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص غلاف کعبہ پکڑے ہوئے دعا مانگ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ یہی کہتا خدایا اپنی عظمت کے صدقے میرے گناہ معاف کر دے۔ حضور اکرم ﷺ اس کے رونے اور دعا کے انداز سے بے حد متاثر ہوئے۔ طواف کے بعد پاس گئے اور پوچھا۔ تمہارا کیا گناہ ہے؟ کہنے لگا۔ میرا گناہ بہت بڑا ہے بیان نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کتنا بڑا ہے، آسمان اور زمین سے بھی بڑا ہے۔ کہنے لگا اس سے بھی بڑا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی رحمت اور عرش سے بھی بڑا ہے۔ کہنے لگا۔ ہاں ان سے بھی بڑا ہے۔ آخر کار حضور ﷺ نے فرمایا۔ کہو کیا گناہ ہوا ہے۔ کہنے لگا حضور ﷺ میں بہت مالدار تھا، مگر میرے دل میں دولت کی محبت اس قدر تھی کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرتا۔ مانگنے والے کو دیکھ کر بھاگ جاتا۔ حضور ﷺ جیسی شفیع المذنبین اور حریص علیکم بالمومنین روف الرحیم۔ گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے اور ایمان والوں کے ساتھ

رحمت اور بخشش میں حد سے زیادہ حریص شخصیت نے جب اس کے بخل اور کنجوسی کا حال سنا تو فرمایا۔ ہم سے دور رہو اور اپنی آگ میں ہمیں نہ جلاؤ۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ اس شخص سے اتنے متنفر ہوئے کہ فرمایا۔ قسم خدا کی جس نے مجھے سیدھے راستے پر بھیجا ہے' اگر تم اس مقام پر ہزار برس بھی نماز پڑھو اور روتے رہو اور اسی بخیلی کی حالت میں مرجاؤ تو بھی تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ تیرے لئے خرابی ہے اور سخت خرابی' بخل کفر ہے اور کافر آگ کا مستحق ہے۔ ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ (سورہ محمد) جو بخیلی اختیار کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لئے برائی اختیار کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بخیل عادل نہیں' اس کی گواہی قبول نہیں فرماتے' کیونکہ بخیل حریص اور ظالم ہوتا ہے' کسی کے کام نہیں آتا۔ عزیزوں' رشتہ داروں کو ستاتا اور ترساتا ہے اور ملک وملت کے مفاد اور تقاضوں کو ٹھکراتا ہے۔ احکام الٰہی کی بجا آوری سے کتراتا ہے۔ اس کی جمع پونجی کو دوزخ کی آگ میں تپا کر اس کے جسم کو داغا جائے گا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلالت کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ بخیل جنت میں نہ جائے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک دفعہ ایک کنیز نے کہا کہ میں آپ کے لئے گوشت کا سالن تیار کرتی ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔ ٹھیک ہے جب سالن تیار کر کے آگے رکھا تو لذیذ چیز ہر کسی کو پسند ہوتی ہے' مگر اللہ کے پیغمبر نے سالن دیکھ کر فرمایا۔ یہ سالن اٹھا اور فلاں شخص کے یتیم بچوں کو کھلا دو۔ کنیز نے کہا۔ حضرت تھوڑا سا تو آپ بھی کھالیں۔ فرمایا میرا کھایا ہوا گندگی کا ڈھیر بنے گا اور یتیموں کا کھایا ہوا عرش پر جائے گا۔ یتیما ذا مقربہ او مسکینا ذامتربہ قریبی یتیم کی پرورش نہ کرنے والے اور خاک آلود مسکین وغریب کو نہ کھلانے والے نیکی اور خدا کے راستے میں خرچ کرنے کی مشکل ترین گھاٹی کے راستہ پر چلنے کی توفیق اور ہمت نہیں رکھتے۔ (سورہ بلد) حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ تین شخص جنت میں نہ جائیں گے۔ دھوکہ باز' بخیل و کنجوس اور دوسروں پر نیکیوں کا احسان جتانے والا۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ خدا کی دی ہوئی دولت میں سے خدا کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے دولت میں کمی نہیں آتی اور یہ کہ بخیلی و کنجوسی ہمارے معاشرتی' خاندانی اور گھریلو خوشگوار حالات کے لئے نہایت نقصان دہ ہے۔ اس سے بہت سے سماجی مسائل پیدا ہو کر قرآن کریم کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق خدا کی امداد و خوشنودی سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور ہماری زندگی کی راہیں دشوار ہو جاتی ہیں۔ دولت اسے کوئی فائدہ نہ دے گی' جب اسے ہلاکت میں ڈال دیا جائے گا۔ وما علینا الا البلاغ

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں

اس حدیث مبارکہ میں حسن اخلاق کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق لازماً اچھے ہوں گے اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے تو اس کا ایمان بھی کامل ہوگا۔

ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر اخلاق نظر آئے تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے بلکہ اخلاق کی صورت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اس لئے رسول کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستگی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"

انسان کی زندگی میں حسن اخلاق کی بڑی اہمیت ہے اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری سے گذرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود باعث رحمت ہو گا اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہونگے تو خود بھی وہ زندگی کی مسرت سے محروم ہو گا اور جن سے اسکا تعلق اور واسطہ ہو گا تو ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کی محفل میں فرمارہے تھے کہ تم میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہے اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست میرے قریب ہو گی جن کے اخلاق تم میں بہتر ہونگے گویا رسول کریم ﷺ کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپؐ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حسن اخلاق میں کوئی جتنا اچھا ہو گا اس کا ایمان بھی اتنا ہی کامل ہو گا یعنی حسن اخلاق ایمان کی تکمیل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے قرب کا باعث ہے۔

صدائے فقیر

انسانی فیصلہ ' روحانی مدد

(قبلہ محمد صدیق ڈار)

یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان قطعی آزاد ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے اپنی ذات' کائنات کی فطرت اور خالق کائنات کو پہنچان جائے اور اللہ کے دین میں داخل ہو جائے تو اسے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کی تائید و نصرت ملے گی اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ جو شخص اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو حق شناسی کی بجائے اپنے خالق و مالک کے احکام کی خلاف ورزی میں لگادے تو اس کا یہ اختیاری فیصلہ احکم الحاکمین کے خلاف بغاوت گردانا جائے گا اور اسی کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے توسط سے شکر و کفر' حق و باطل' نور و ظلمات اور ہدایت و ضلالت کی راہوں کو بالکل واضح کر دیا اور دونوں راستوں کے انجام سے بھی انسان کو خبردار کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اپنی اصل صورت میں موجود اور ہر انسان کی دسترس میں ہے۔ یہ کتاب صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں اس کے ترجمے بھی دستیاب ہیں۔ ہر انسان کو چاہئے کہ تلاش حق کی سچی لگن کے ساتھ اس کتاب ہدایت کا مطالعہ کرے اور پھر اچھی طرح غور و فکر کر کے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرے کہ آیا کروڑوں مسلمانوں کی طرح اس نے ازلی اور ابدی حقائق کو تسلیم کر کے اپنے رب کی بندگی کی راہ پر چلنا ہے یا آئین خداوندی سے بغاوت کر کے من مرضی کی زندگی بسر کرنی ہے۔ اس اہم ترین فیصلہ کے وقت کوئی بیرونی طاقت انسان پر اثر انداز نہیں ہوتی لیکن جب وہ اپنے انتخاب عمل کے اختیار کو استعمال کر کے ایمان اور کفر میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا روحانی نظام حرکت میں آجاتا ہے جس کے تحت دونوں قسموں کے انسانوں کو معاونت اور امداد ملتی رہتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

الله ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمت الی النور والذین کفرو اولیاء هم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمت اولیک اصحب النار هم فیها خلدون (البقرة

257-)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے کہ ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہوئے ان کے دوست شیطانی گروہ کے ارکان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"

اس آیت مبارکہ میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کے ولی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام مومن اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں البتہ ولایت کے مدارج میں فرق ہو سکتا ہے۔ کفار کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے حمایتی اور دوست تو بہت زیادہ ہیں۔ اس طرح انسانوں کے دو گروہ بن گئے۔ اللہ پر ایمان لانے والوں کا گروہ اولیاء الرحمن کہلاتا ہے اور کفر کرنے والا گروہ اولیاء الشیطن کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو عقائد باطلہ کے اندھیروں گناہوں کی تاریکیوں اور برے اخلاق و کردار کی غلاظتوں سے نکال کر توحید و رسالت، لطافت و طہارت، تہذیب و شرافت اور اپنی اطاعت و محبت کے اجالوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مومنین پر صلوۃ و رحمت بھیجنے اور ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرنے کے لئے فرشتوں کو لگا رکھا ہے۔ اللہ رحیم و کریم کی اس خصوصی رحمت کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے ہو جائے گا۔

1۔ هو الذی یصلی علیکم و ملکته لیخرجکم من الظلمت الی النور و کان بالمومنین رحیما ○ (الاحزاب۔ 43)

ترجمہ: "اللہ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے"

2۔ انا لننصرنا رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشهاد (المومن۔ 51)

ترجمہ: "ہم اپنے رسولوں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں انکی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی قیامت کو بھی"

3۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون ○ الذین امنوا و کانوا یتقون لهم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ لا تبدیل لکلمت اللہ ذلک هو الفوز العظیم ○ (یونس۔ 62 تا 64)

ترجمہ: "سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انکو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ یہ وہ

لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہ تو بہت عظیم کامیابی ہے"

4- الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم و یومنون به و یستغفرون للذین امنوا ربنا وسعت کل شیی رحمه و علما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقهم عذاب الجحیم O ربنا وادخلهم جنت عدن O التی وعدتهم ومن صلح من ابائهم وازواجهم و ذریتهم انک انت العزیز الحکیم O وقهم السیات ومن تق السیات یومئذ فقد رحمته وذلک هو الفوز العظیم (المومن 7 تا 9)

ترجمہ: جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے رستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب ان کو ہمیشہ رہنے کے بہشتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور انکی اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے اور ان کو برے اثرات سے بچالے اور جس کو تو اس روز برے اثرات سے بچالے گا تو بے شک اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے"

5- والف بین قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم انه عزیز حکیم O (الانفال- 63)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے"

6- ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملکه الا تخافوا ولا تحزنوا والبشروا بالجنه التی کنتم توعدون O نحن اولیوء کم فی الحیوۃ الدینا و فی الاخرۃ ولکم فیها ما تشتهی ولکم فیها ما تدعون O (حٰم السجدۃ- 30 تا 31)

ترجمہ: "جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے ان پر فرشتے اتریں گے یہ بتھانے کو کہ نہ تو خوف کرو اور نہ ہی غمگین ہو اور جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے حاضر ہو گی"

اولیاء اللہ یعنی اہل ایمان کے لئے مخصوص روحانی اعانت کے ذکر کے ساتھ ساتھ اولیاء الشیطان کے لئے جو نظام قائم کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے انکار کر کے نماز اور ذکر سے منہ موڑ لیتے ہیں ان کی روحانی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

1۔ ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطنا فھو لہ قرین (الزخرف۔36)

ترجمہ! ”اور جو کوئی اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے“

2۔ انا جعلنا الشیطن اولیاء للذین لا یومنون ○ (الاعراف۔27)

ترجمہ! ”ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست اور ساتھ بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے“

3۔ استحوذ علیھم الشیطن فانسھم ذکر اللہ اولیک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطان ھم الخسرون ○ (المجادلہ۔19)

ترجمہ! ”شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا اور ان کو اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ حزب الشیطان یعنی شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ حزب الشیطان والے نقصان اٹھانے والے ہیں“

اس باب میں جو آیات لکھی جا چکی ہیں ان سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے روحانی نظام انسان کے اپنے فیصلے کے بعد سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو انسان کی عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم جزا و سزا کے لئے جو ملکی قوانین بناتی ہے ان کی بنیاد ہی یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ ہر مجرم کو جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دینا اور اچھے کام کرنے والے کو مناسب انعام و اکرام سے نوازنا ہی عدل و انصاف ہے۔ نابالغ بچوں اور فاتر العقل بالغوں کے لئے جس طرح دنیوی قوانین میں گنجائش رکھی جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے آئین میں بھی ان کے لئے معافی رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نوازنے کے لئے بے شمار روحانی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جو لوگ ایمان کی راہ کا انتخاب کر کے نماز اور ذکر کی پابندی کرتے اور تقویٰ اور توکل والی زندگی گذارتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قلبی اور روحانی مسرت و اطمینان، حلاوت ایمان اور لذت عرفان جیسے انوکھے تجربات سے آشنا کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، فرشتوں کی دعاؤں اور روحانی بشارتوں کے نزول کے اثرات سے مومن ہر قسم کے خوف و حزن سے نجات حاصل کر کے اللہ کے بھروسہ پر مطمئن زندگی بسر کرتا ہے اور ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ اللہ کی محبت، شیوہ تسلیم و رضا اور دائمی ذکر کی برکت سے اس کا ہر دن بلکہ ہر سانس اسے اللہ کے اور زیادہ قریب کرتا چلا جاتا ہے۔

جو قوم اللہ کے دین کی شمع بردار بن کر اٹھتی ہے اسے اطمینان قلب اور روحانی کشائش کی نعمتیں عطا کرنے کے ساتھ ساتھ فراخی رزق اور کثرت اولاد سے بھی اس کی قوت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور خلافت ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے دنیوی خوشحالی کے جو وعدے فرمائے ہیں انہیں ایمان اور صالح اعمال کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔ آخرت کی زندگی پر ایمان لانا اللہ کے دین کا نہایت ہی اہم جزو ہے۔ اسے تسلیم کئے بغیر نہ تو انسان زندگی کو مجموعی حیثیت سے سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و احادیث آخرت کے حالات و واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ آخرت کی زندگی میں اہل ایمان اور کفار و مشرکین کے مقامات اور حالات میں تو زمین و آسمان کا فرق ہو گا لیکن اس جہان میں بھی ان کی زندگیوں میں بہت فرق ہے۔ پہلے ہم قرآن کریم کی وہ آیات یہاں درج کرتے ہیں جن میں خاص رحمتوں اور برکتوں کا بیان ہے جو مومنین کے شامل حال ہوتی ہیں۔

1۔ قل من حرم زینہ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصہ یوم القیمہ کذلک نفصل الایت لقوم یعقلون O (الاعراف۔ 32)

ترجمہ! "آپ پوچھئے کہ زینت و آرائش اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں انکو حرام کس نے کیا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے تو خاص انہی کا حصہ ہونگی۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں سمجھنے والوں کے لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے"

2۔ ولوان اھل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکت من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنھم بما کانوا یکسبون (الاعراف۔ 96)

ترجمہ! "اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے انکو پکڑ لیا"

3۔ فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا O یرسل السماء علیکم مدرارا O و یمدد کم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھرا O (نوح۔ 12)

ترجمہ! "نوح علیہ السلام نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر

آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغات عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بنادے گا"

4- ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین ○ (ھود۔52)

ترجمہ! "ھود علیہ السلام نے کہا اے قوم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا۔ اور تم گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو"

5- ولقد ارسلنا من قبلک رسلا الی قومھم فجاء وھم بالبینت فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقا علینا نصر المومنین ○ (الروم۔47)

ترجمہ! "اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے۔ سو جن لوگوں نے نافرمانی کی ہم نے ان سے بدلا لے کر چھوڑا اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی"

6- فاستجبنا لہ ونجینہ من الغم وکذلک نجی المومنین ○ (الانبیاء 88)

ترجمہ! "اور ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں"

اوپر دی گئی آیات سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں بھی مومنین کی مدد فرماتے، انہیں مصائب و آلام سے نجات دیتے اور دنیوی مال و متاع فراوانی سے عطا کر کے انکی قوت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اب کفار و مشرکین اور تارکین ذکر و صلوۃ کی زندگی کی جھلک دکھانے کے لئے چند قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں۔

1- ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشہ ضنکا ونحشرہ یوم القیمہ اعمی ○ (طٰہٰ۔124)

ترجمہ! "اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا اور روز قیامت ہم اسے اندھا اٹھائیں گے"

2- ولا تعجبک اموالھم واولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کفرون ○ (التوبہ۔85)

ترجمہ! ""کفار کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں ہی سے انہیں دنیا میں عذاب کرے اور جب ان کی جان نکلے تو اس وقت بھی یہ کافر ہوں"

3۔ لهم عذاب في الحيوة الدنيا ولعذاب الاخرة اشق ومالهم من الله من واق O (الرعد۔ 34)

ترجمہ! کفار کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی سزا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور انکو اللہ سے کوئی بھی بچانے والا نہیں"

4۔ ان الذين كفروا وما توا وهم كفار اوليك عليهم لعنه الله والملكه والناس اجمعين O (البقرہ۔161)

ترجمہ! "بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے"

انسان جس طرح زندگی بسر کرتا ہے اس کے مطابق ہی اس کا انجام ہوتا ہے۔ نزع کی گھڑی میں مومنین کو جنت کی جھلک اور کفار کو جہنم کا منظر دکھایا جاتا ہے۔ اسی لئے موت کے وقت اللہ والوں کے چہرے دمک اٹھتے ہیں اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ زندگی کی آخری ساعت کے حالات کے بارے میں قرآن کریم کی آیات ملاحظہ ہوں۔

1۔ الذين تتوفهم الملكه طيبين يقولون سلم عليكم ادخلو الجنته بما كنتم تعملون O (النحل۔32)

ترجمہ! جب فرشتے متقین کی جانیں نکالنے لگتے ہیں تو یہ پاک ہوتے ہیں۔ فرشتے سلام علیکم کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ"

2۔ ولو ترى اذ يتو في الذين كفروا الملكه يضربون وجوههم وادبارهم وذوقوا عذاب الحريق O (الانفال۔50)

ترجمہ! "کاش آپ اس وقت کی کیفیت دیکھتے جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزہ چکھو"

3۔ فاما ان كان من المقربين O فروح وريحان و جنت النعيم O واما ان كان من اصحب اليمين O فسلم لك من اصحب اليمين O واما ان كان من المكذبين

الضالین ○ فنزل من حمیم ○ وتصلیه جحیم ○

ترجمہ! "اگر مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اس کے لئے آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو اسے کہا جائے گا کہ تجھ پر دانئے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو تو اس کے لئے کھولتے پانی کی ضیافت اور جہنم میں داخل کیا جانا ہے"

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسانی زندگی کی حقیقت' اس کے اغراض و مقاصد' دنیا و آخرت میں حقیقی کامیابی کے اصول اور اللہ کی رضا کے حصول کے طریقے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور ہر ممکن طریقے سے انسانی ضمیر کو جگانے اور رجوع الی اللہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول' سید الانبیاء' احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے شدید مخالفتوں' مزاحمتوں اور عداوتوں کا مقابلہ کر کے اللہ کا یہ پیام انسانوں تک پہنچایا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ اللہ کا دین عقل کے اپنے تراشے ہوئے نظریات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ازلی و ابدی حقائق پر مشتمل ایک مکمل نظام حیات ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موت کے بعد ہر انسان کو اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں وہ اپنی ہر چھوٹی بڑی نیکی یا برائی کو حاضر پائے گا۔ اس کا رب دنیوی زندگی میں اس کی کارکردگی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرمائے گا۔ موجودہ دور میں علماء کرام اور صوفیاء عظام رحمہم اللہ اجمعین کا حقیقی کام بھی یہی ہے کہ اللہ کا پیام لوگوں تک پہنچا کر انہیں خواب غفلت سے بیدار کریں اور اللہ کی طرف بلائیں۔ جو لوگ ایمان لا کر آخرت کی حقیقی زندگی کو سنوارنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں گے وہ فلاح پا جائیں گے اور جو مادی لذات اور نفسانی خواہشات میں پھنس کر اللہ اور یوم آخرت کو بھول جائیں گے وہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے۔ اللہ کا دین اللہ کی طرف سے' اس کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اور تمام مومنوں کی طرف سے تمام دنیا کے انسانوں کے لئے نیک نصیحت اور خیر خواہی کا پیام ہے۔ دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچنے اور اللہ کی جنت میں داخل ہونے کی دعوت ہے۔ اللہ کے دین میں مادی آنکھوں سے پوشیدہ عالم آخرت کے بارے میں مکمل خبر اور تفصیل موجود ہے لیکن اللہ کی منشاء کے عین مطابق دعوت دین کے نظام میں جبر کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کو بھی یہی ارشاد فرمایا۔

فانما علیک البلغ وعلینا الحساب ○ (الرعد۔ 40)

ترجمہ! "بے شک آپ کے ذمہ پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے"

خواجہؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین۔ خالد مسعود)

1۔ حال پر خوش رہنا سیکھو

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1959-11-4)

"حال پر خوش رہنا سیکھو۔ ماضی کو بھول جاؤ۔ مستقبل کی بہتری کے لئے کوشاں رہو۔ غصہ اور نفرت کی نفی کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے غم و الم کے تاثرات سے دل کو متاثر نہ ہونے دیں"

2۔ سلوک میں رکاوٹ

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 59-12-4)

"راہ سلوک میں سوائے اللہ کے اور کسی خیال کو دل میں جمالینا رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ ویسے بھی کسی خیال کو دل میں جمالینے سے کیا فائدہ۔ آپ کو بجائے ہر وقت اس خیال میں گھلتے رہنے کے لوگوں میں تبلیغ کرنی چاہئے اور اس کا جو کچھ نتیجہ نکلے خواہ اچھا ہو یا برا اس پر راضی برضائے الٰہی رہنا چاہیئے"

3۔ پاس انفاس نہ چھوڑنا

(بنام محمد قاسم صاحب 60-12-31)

"ذکر نفی اثبات کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے تو اس کا بھی غم نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سب کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ جس دن میں ذکر نہ ہو سکے تو پاس انفاس کو کسی حالت میں نہیں چھوڑنا چاہئیے"

4۔ فقر اور فکر کا بیر ہے

(بنام محمد قاسم صاحب 65-3-13)

"بہر حال فکر نہیں کیا کرتے۔ فقر اور فکر کا آپس میں بیر ہے۔ فکر کرو گے تو فقیری نہیں ملے گی"

5۔ قلبی محبت

(بنام محمد قاسم صاحب 65-9-29)

"میاں محمد علی صاحب واقعی حلقہ کی بہت خدمت کرتے ہیں۔ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت کی جزا بھی برابر دے رہا ہے۔ لیکن ان میں ایک بڑا نقص ہے۔ یعنی ان کے دل میں محبت نہیں ہے اور مجھ سے تو وہ بالکل ہی محبت نہیں کرتے"

6۔ الجھنیں خود ختم کردیں

(بنام محمد قاسم صاحب 65-11-21)

"یہ دنیوی الجھنیں کبھی ختم ہو کر آپ کو آگے قدم بڑھانے کا موقعہ بھی دیں گی یا ہمیشہ راہ کا پتھر بنی رہیں گی؟ اگر یہ ختم نہیں ہوتیں (اور سچ تو یہ ہے کہ کبھی بھی جیتے جی ختم نہیں ہوتیں) تو پھر آپ ہی ان کو ختم کردیں یعنی ان کی پروا نہ کریں۔ چارہ جوئی ضرور کریں۔ مگر دل کو ان سے متاثر نہ ہونے دیں۔ اگر یہ نہ کیا تو منزل مراد پر کبھی نہ پہنچ سکو گے۔ میرا کام صرف بتا دینا ہے آگے آپ کی مرضی، مستقبل کے لئے کوئی سکیم سوچو، کوئی تدبیر کرو مگر اس کی فکر میں غرق نہ ہو جاؤ۔ خوش رہا کرو اور اللہ اللہ کیا کرو۔ یہی راستہ ہے اس پر چلو نہ چلو"

7۔ فقیر ہمیشہ خوش رہتے ہیں

(بنام محمد قاسم صاحب 65-12-26)

"یہ بات یاد رکھیں کہ دنیا کی پریشانیاں تو مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ یہاں تک کہ ارب پتی سرمایہ دار اور مملکتوں کے بادشاہ اور صدر تک ان سے محفوظ نہیں رہتے۔ فقیر لوگ جو اللہ سے محبت کر کے راضی برضا ہو جاتے ہیں اور نفی کر دیتے ہیں وہ البتہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ ذکر اور نماز وغیرہ تو خدا کے لئے نہ چھوڑیں۔ آپ کی دنیوی ترقی کے لئے دعا کر رہا ہوں اللہ ضرور فضل کرے گا مگر جلدی نہ کریں"

مجالس فقیر

کچھ ذکر رسالدار صاحبؒ کا

(آفتاب احمد خاںؒ)

"پھر قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنے دوست حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کا ذکر چھیڑ دیا جس کی تفصیل آپ کی تحریروں میں موجود ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "تعمیر ملت" اور "چراغ راہ" کا سب بھائیوں کو بار بار مطالعہ کرتے رہنا چاہئیے۔ ہر بار کا مطالعہ ایک نئی حقیقت اور روحانی کیفیت سے روشناس کراتا رہے گا۔ حضرت رسالدارؒ کے بارے میں آپ نے بے شمار واقعات اپنی مجالس میں بیان فرمائے لیکن ایک خاص واقعہ ضرور بیان کرنا چاہتا ہوں جو قبلہ حضرتؒ نے اکیلے میں مجھے بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت رسالدارؒ فوج سے ریٹائر ہو کر دہلی میں مقیم ہو گئے اور میرے گھر کے قریب واقع ایک محلّہ میں رہائش رکھتے تھے۔ ان دنوں کو قبلہ حضرتؒ بہت یاد کیا کرتے تھے۔ کیونکہ خوب گذرے گی جو مل بیٹھے گے دیوانے دو کے مصداق شب و روز ملاقاتوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ میرے پڑوس میں ایک ہندو خاندان رہتا تھا اس کا سربراہ مر گیا تو اس کی بیوی روتی پیٹتی میرے ہاں آئی اور عجیب انداز سے التجا کرنے لگی کہ انصاری صاحب! کچھ کریں میرے تو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اس وقت حضرت رسالدارؒ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا انصاری صاحب چلو اسے دیکھیں تو بھلا کہ کیا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں پڑوس والے گھر میں چلے گئے۔ اس ہندو کی لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس کے لواحقین ماتم کر رہے تھے۔ رسالدارؒ لاش کے قریب گئے اور اس کے پاؤں کے انگوٹھے کو پکڑ کر فرمایا۔ "اب اٹھو بھی، تمہارے بیوی بچے بہت پریشان ہیں، اب بہت ہو چکی" یہ کہنا ہی تھا کہ مردہ آدمی اٹھ کر بیٹھ گیا اور تمام گھر والے خوش ہو گئے اور ماتم کدہ خوشیوں میں بدل گیا۔ گھر آ کر میں نے حضرت رسالدارؒ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کہنے لگے کچھ نہیں وہ مرا تھوڑا ہی تھا۔ اس طرح وہ بات ٹال گئے اور چلے گئے مگر میں

گھنٹوں انکی اس کرامت پر غور و فکر کرتا رہا۔ حضرت رسالدار ؒ اویسی بزرگ تھے اور وہ قبروں وغیرہ پر جانا بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ میں اکثر حضرت نظام الدین ؒ کے مزار پا فاتحہ خوانی کے لئے جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں بھی دعوت دی کہ آپ اس مزار پر جاکر تو دیکھیں وہاں عجیب کیف و سرور طاری ہوتا ہے۔ وہ فرمانے لگے سب مٹی کی ڈھیریاں ہیں وہاں سے کیا فیض مل سکتا ہے۔ خیر بات آئی گئی ہو گئی۔ اتفاق سے ایک دن ہم دونوں بستی نظام الدین میں حضرت ؒ کے مزار کے سامنے سے گذر رہے تھے تو انہوں نے خود ہی فرمایا کہ چلو تمہارے کہنے پر آج ہم بھی فاتحہ پڑھ لیں۔ چنانچہ ہم دونوں اندر چلے گئے، میں فاتحہ پڑھنے کے بعد مزار سے باہر آکر رسالدار ؒ کا انتظار کرنے لگا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو میں دوبارہ مزار کے اندر گیا تو دیکھا کہ حضرت رسالدار ؒ بڑے انہماک کے ساتھ مراقب ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے از راہ مذاق آپ کے کان میں آہستہ سے کہا "رسالدار صاحب ڈھیریاں ہی ہیں تو آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ اٹھیں چلیں اب دیر ہو رہی ہے" آپ چونک کر بولے بڑا مزہ آرہا ہے اور حضرت ؒ تو جانے نہیں دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد چلیں گے۔ جب اٹھ کر باہر آئے تو فرمایا کہ یہاں تو ان کے مزار سے عرش تک نور کی ایک لاٹ روشن تھی۔ میں نے کہا کہ ہم یوں ہی تو یہاں نہیں آتے۔ اس طرح کے کئی واقعات دوسرے پیر بھائیوں کو بھی معلوم ہیں۔ پچیس سال گذر گئے ہیں لیکن آپ کی صحبت میں گذاری ہوئی شب و روز کی سنہری محفلیں اب بھی ذہن میں تازہ ہیں۔ ان بیتے ہوئے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ گذرے ہوئے دن پھر واپس آگئے ہیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے اگرچہ میرے ہاتھ ان یادداشتوں کو قلمبند کرنے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں پھر بھی میں اپنے بھائیوں کی خاطر یہ رنگارنگ واقعات پر مشتمل گلدستہ ضرور پیش خدمت کرونگا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔ آمین!

سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم و تنظیم

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

مختصر یہ کہ حلقہ کی تنظیم کرتے وقت یہ سب حالات میرے پیش نظر تھے اور یہ سب باتیں میرے ذہن نشین تھیں۔ کئی ماہ تک دن رات غور و فکر کرتا رہا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ مگر کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ یکایک ایک دن بجلی کی طرح ایک خیال دماغ میں آیا کہ سلسلہ کا نام توحیدیہ رکھنا چاہئے اور تعلیم کی اساس و بنیاد خالص توحید پر ہونی چاہئے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ القاء تھا یا محض خیال مگر طبیعت اس پر جم گئی کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ میں نے پہلے "تعمیر ملت" لکھی اور اس میں توحید باری تعالیٰ پر خاصے مدلل اور مسکت انداز میں بحث کی اور اس کے فوائد ایسی روشن دلیلوں سے ثابت کیے کہ شاید کوئی آنکھوں کا اندھا ہی ان سے انکار کر سکے۔ اس کے بعد میں نے "طریقت توحیدیہ" تحریر کی اور اس میں حلقہ کی تعلیم اور تنظیم صاف صاف قلمبند کر دی اور توحید کے متعلق اپنے عقائد کھول کھول کر بیان کر دیئے لیکن افسوس کہ دوسرے تو رہے الگ خود میرے اپنے حلقہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خالص توحید کو نہیں مانتے۔ دوسروں سے تو مجھے کوئی غرض نہیں کوئی کچھ بھی مانا کرے۔ میرے پاس دوسروں سے بحث مباحثہ کرنے بلکہ لڑنے جھگڑنے کے لئے فالتو وقت ہی نہیں۔ بقول اکبر الہ آبادی

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

مگر اپنے حلقہ والوں سے تعرض کئے بغیر تو کسی طرح بھی نہیں رہ سکتا۔ اگر میں اتنا بھی نہ کروں تو حلقہ توحیدیہ قائم کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ آج میری زندگی میں جب میرے حلقہ میں کچھ مشرک گھس آئے ہیں تو میرے مرنے کے بعد کیا ہو گا؟

یہ لوگ اللہ کے سوائے اور بھی چند ہستیوں کو قادر و توانا مانتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اولیاء اللہ بھی انسان کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ جس کو چاہیں بنا سکتے ہیں اور جس کو چاہیں بگاڑ سکتے ہیں۔ بس یہی بات شرک ہے۔ اگر وہ یوں مانیں کہ طاقت صرف اللہ ہی کو ہے کہ وہ لوح محفوظ پر اپنے لکھے ہوئے کو مٹا کر جو چاہے لکھ سکتا ہے اور وہ اپنے کسی مقبول بندے کی دعا سے کبھی کبھی ایسا کر بھی دیتا ہے تو یہ لوگ شرک سے بھی بچ جائیں اور اولیاء اللہ کی بزرگی اور عظمت بھی قائم رہے۔ سورہ رعد میں ارشاد ہوتا ہے یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتب یعنی اللہ جو چاہتا ہے لوح محفوظ سے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اس میں باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے" پس اگر یہ لوگ یوں مانیں کہ اپنے کسی پیارے بندے کی دعا سے اللہ تعالیٰ لوح محفوظ یعنی تقدیر کے لکھے کو مٹا بھی دیتا ہے تو بتایئے اس میں کیا قباحت ہے۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر نہیں خدا تھے (نعوذ باللہ) یعنی اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی شکل میں خود اس زمین پر نازل ہوا تھا کہ اپنے گمراہ بندوں کو ہدایت کرے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ احد اور احمد ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ احد یعنی اللہ میم کا برقعہ اوڑھ کر اور احمد بن کر زمین پر آیا۔ قرآن میں ایک نہیں دو نہیں بیسیوں آیتیں ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ بشر تھے۔ احادیث میں بھی بیسیوں حدیثیں ایسی ہیں جو حضور ﷺ کے بشر ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ لیکن جب قرآن اور احادیث کے علی الرغم کوئی اپنی ضد پر اڑا رہے تو ایک حق پرست کے پاس سوائے خاموشی کے اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سورہ کہف میں ہے۔

"ان سے کہہ دیجئے کہ بے شبہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں البتہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے" ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا "کہہ دیجئے کہ سبحان اللہ میں تو آدمی ہوں لیکن رسول ہوں" سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۱ میں ہے کہ "ہم نے تم میں ہی سے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا..... الخ۔ سورۃ یونس آیت ۴۹ میں ہے "کہ دیجئے کہ میں تو اپنے ذاتی فائدے اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا" سورۃ جن آیت ۲۱ میں ہے۔ "کہ دیجئے میرے ہاتھ میں نہیں تمہارا برا بھلا یا راہ پر لانا" سورۃ اعراف آیت ۱۸۸ میں ہے "کہہ دیجئے کہ میں تو مالک نہیں اپنی جان کے برے بھلے کا بھی" سورۃ انعام آیت ۵۰ میں ہے "کہہ دیجئے کہ نہ میرے پاس خزانے ہیں اور نہ میں غیب دان ہوں نہ میں فرشتہ ہوں" سورۃ زمر آیت ۳۰ میں ہے "اے پیغمبر تم بھی مرجاؤ گے اور یہ بھی مرجائیں گے"

الغرض بے شمار آیتیں ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں۔ ان تمام آیات کے علاوہ سورہ اخلاص میں کس قدر صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ لم یلد ولم یولد نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے" اب دنیا جانتی ہے کہ حضور ﷺ تو حضرت بی بی آمنہ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ اس پر بھی اگر کوئی اپنی ضد پر اڑا رہے تو اس کا کیا علاج۔ یہ تو تھا قرآن' کتب احادیث میں بھی ایسی بے شمار حدیثیں ہیں مثلاً" بخاری اور ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ کو بھوک کی شدت اسی طرح محسوس ہوتی تھی جس طرح عام آدمیوں کو محسوس ہوتی ہے۔ بیہقی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو بچھو نے کاٹا تو اس پر اسی طرح دم کیا گیا جس طرح عام آدمیوں کو کیا جاتا ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ کو زہر کھلایا گیا تو اس کا اثر ویسے ہی ہوا جیسے کہ عام آدمیوں پر ہوتا ہے۔ بخاری ہی میں ہے کہ حضور ﷺ زخمی ہوئے اور حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تو حضور ﷺ کے خون نکلا اور حضور ﷺ کو اسی طرح تکلیف محسوس ہوئی جیسے کہ عام آدمیوں کو ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ بیمار بھی ہوئے۔ حضور ﷺ نے کئی نکاح بھی کئے اور آپ ﷺ کے اولاد بھی ہوئی۔ پھر یہ کہ حضور ﷺ نے عام آدمیوں کی طرح رحلت فرمائی اور دفن کئے گئے۔ کیا یہ سب آیتیں اور حدیثیں انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ انہی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کا جسم اطہر مادہ کا بنا ہوا نہ تھا بلکہ

نور کا بنا ہوا تھا۔ مندرجہ بالا آیات اور احادیث اس عقیدے کا بھی بطلان کرتی ہیں مگر جب کوئی ان آیات و احادیث پر غور ہی نہ کرے تو میں اور آپ اس کا کر ہی کیا سکتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ نہ نور کے اصلی معنے سے واقف ہیں نہ ظلمت کے۔ ظاہر بین آنکھوں کو جو نور اور اندھیرا نظر آتا ہے یہ صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ اگر واقعی یہ لوگ ان الفاظ کے لفظی معنی ہی لیتے ہیں تو بھی غلطی پر ہیں۔ مگر ان کو اپنی غلطی اس لئے نظر نہیں آتی کہ وہ غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر وہ ذرا بھی غور کریں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ دیکھئے یہ لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے مقدس و مطہر جسم کو نور مانتے ہیں تو یقیناً" خدا کا نور ہی مانتے ہوں گے۔ ایسا نور تو ہرگز نہ مانتے ہوں گے جیسا کہ جلتی ہوئی دیا سلائی کا نور موم بتی کا چراغ یا بجلی کے بلب کا' یا اس سے بھی بڑھ کر ستاروں' چاند اور سورج کا نور۔ اب اگر یہ غور کریں تو ان کو معلوم ہو کہ ہر بڑے اور تیز نور کے سامنے اس سے چھوٹا اور کمتر نور مدھم یا بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ مثلاً" جس کمرے میں مٹی کے تیل کا چراغ یا ۱۵ کی پاور کا بلب جل رہا ہو وہاں اگر ہزار کینڈل پاور کا بلب روشن کر دیا جائے تو مٹی کے تیل والے چراغ اور ۱۵ نمبر کے بلب کی روشنی بالکل ہی غائب ہو جائے گی حالانکہ وہ وہیں موجود ہو گی۔ اب اس ناقابل تردید ثبوت کی روشنی میں غور کیجئے کہ اگر حضور ﷺ کا جسم خدا کا نور تھا تو اس نور کے سامنے دن کے وقت سورج کی اور رات کے وقت چاند کی روشنی ماند کیوں نہیں پڑ جاتی تھی اور مزید برآں یہ کہ خود حضور ﷺ کو رات کے وقت چراغ روشن کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی۔ سورج اور چاند تو خدا کی بہت ہی ادنیٰ مخلوق ہیں پھر اس مادی مخلوق کا نور خود خدا کے نور کی موجودگی میں ماند نہ پڑے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

میں خود نبی کریم ﷺ کو نور سمجھتا ہوں لیکن ان معنوں میں نہیں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا۔ میرا اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور یہ امر واقعہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ دنیا کفر و گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھری ہوئی تھی۔ خدائی تعلیم جو پچھلے پیغمبروں کے ذریعہ نازل کی گئی تھی مسخ یا غائب ہو چکی تھی' انسان انسان کو کھا رہا تھا۔ ہر زبردست' کمزوروں پر ظلم اور سختیاں کرنا اپنا حق سمجھتا تھا۔ برائی بھلائی میں کوئی تمیز نہ تھی۔ شراب' جوا' چوری' قتل' زنا' دختر کشی تفریحات کا سامان تھیں۔ دجل فریب' مکر و ریا اور جور و جفا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ غریب انسان' بادشاہوں' امیروں اور حاکموں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کسی جائے پناہ کے لئے مارے مارے سرگرداں و پریشاں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے تھے لیکن کوئی ماویٰ و ملجا دکھائی نہ دیتا تھا۔ کہیں سر چھپانے کی جگہ نظر نہ آتی تھی۔ یہ حال تھا کہ ایک سرزمین غیر ذی زرع کے مرکز یعنی مکہ مکرمہ کے ایک مبارک گھر سے آفتاب ہدایت کا نور چمکا۔ مخالف عناصر نے بہت مقابلہ کیا۔ بہت زور مارا کفر و شرک کی گھنگھور گھٹائیں اٹھیں اور ظلم و ستم کی آندھیاں چلیں کہ اس نور ضیا بار کی روشنی کو آگے نہ پھیلنے دیں۔ لیکن سب مٹ گئیں' دب گئیں اور فنا ہو کے رہ گئیں۔ رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ تمام مشرق وسطیٰ اس نور لازوال کی ضو پاشیوں

سے چمکنے دمکنے لگا۔ جگمگا اٹھا۔ امن و امان' عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی صبح روشن طلوع ہوئی۔ امیروں اور ظلم و ستم کے علمبرداروں کی گردنیں جھک گئیں یا توڑ دی گئیں۔ غریبوں کو جائے پناہ اور ماویٰ و ملجا میسر آیا۔ دنیا نے اطمینان کا سانس لیا اور سب اپنے اپنے کام میں لگ کر تہذیب و ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔

اس نور جہاں تاب سے صرف ممالک مشرق وسطیٰ ہی منور نہ ہوئے بلکہ باقی دنیا کا بھی کوئی ملک ایسا نہ رہا جہاں اس کی روشنی نہ پہنچی ہو اور جو اسلام کی تعلیم و تہذیب اور مسلمانوں کے اخلاق اعلیٰ سے متاثر و متمتع نہ ہوا ہو۔ دنیا جانتی ہے کہ اس وقت یونان کے بوسیدہ فلسفے اور روما کے ظالمانہ قوانین جہاں بانی کے سوا یورپ کے کسی ملک میں بھی حق و انصاف' عدل و مساوات' امن و امان اور علم و اخلاق کا نام و نشان نہ تھا۔ یہ سب باتیں انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھیں۔ آج بھی ان ممالک کے قصر ترقی کی بنیادیں کھود کر دیکھی جائیں تو آپ کو وہاں اسلامی تعلیم و تہذیب اور اسلامی اخلاق کے جواہر ریزے ہی چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ نور و ظلمت یا اجالے اور اندھیرے کی خاصیت کیا ہے؟ نہیں سوچا تو اب سوچئے۔ آپ میں اکثر حضرات کو اکثر یہ اتفاق ہوتا ہو گا کہ رات کے وقت اپنے مکان یا کمرے میں داخل ہوں تو وہاں گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور آپ کو مطلق نہیں دکھائی دیتا کہ کونسی چیز کہاں رکھی ہے۔ کونسی چیز بے ضرر اور کس چیز سے ٹھوکر لگ سکتی تھی۔ اب ایک ایسی رات کا تصور کیجئے جو سخت اندھیری ہے اور آپ جنگل بیابان میں چلے جا رہے ہیں۔ چاند کی آخری تاریخیں ہیں۔ آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آتا۔ دو قدم آگے کی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ کچھ نظر نہیں آتا کہ آگے کھائی ہے یا کھڈ یا کوئی ٹیلا۔ خاردار جھاڑیاں ہیں یا نوکیلے پتھر' سامنے دس قدم پر کوئی اژدہا پڑا ہے یا کوئی خونخوار درندہ چھپا ہوا گھات لگائے بیٹھا ہے۔ سوچئے اور خوب سوچئے کہ اس وقت آپ کا کیا حال ہو گا۔ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہو گی اور اس سیاہ رات کے طویل گھنٹوں میں کتنا سفر کر سکیں گے۔ اب غور کیجئے کہ کافی عرصہ تک یونہی ٹھوکریں کھاتے اور گرتے پڑتے چلتے رہنے کے بعد مطلع مشرق پر آثار سحر نمودار ہوئے سپیدہ صبح نے شاہ خاور کے برآمد ہونے کی خوشخبری سنائی اور دیکھتے ہی دیکھتے اجالا ہو گیا۔ اب آپ کو نہ صرف اپنے گرد و پیش بلکہ حد افق تک ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ آپ کو دکھائی دینے لگا کہ کون سی چیز مضرت رساں ہے' کونسی بے ضرر اور کونسی مفید۔ اب آپ مفید چیزوں سے فائدہ اٹھاتے' بے ضرر چیزوں کو مناسب طریقے سے استعمال کرتے اور مضرت رساں چیزوں سے دامن بچاتے پوری تیز رفتاری سے چلنے لگے اور بامراد و شاد کام منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہی حال کفر و اسلام کا ہے۔ کفر ظلمت و اندھیرا ہے اور اسلام روشنی و نور۔ کافر مطلقاً نہیں جانتا کہ اس کائنات کا اور خود اس کا اپنا کوئی خالق ہے جو اس کے مرنے کے بعد اس سے نیکی و بد اعمالی کی پرسش کرے گا اور ان پر جزا و سزا دے گا۔ کافر کو قطعاً نہیں

معلوم کہ برائیوں سے اس کی روح کمزور، بیمار و مفلوج ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد سخت تکلیف اٹھاتی ہے لیکن اسلام کا نور قلب میں داخل ہوتے ہی خیر و شر اور خوب و زشت ہر انسان کو ایسے صاف صاف نظر آنے لگتے ہیں جیسے دوپہر کا چمکتا ہوا سورج سوچو کہ یہ کتنی وقیع بات ہے اور آخرت میں بھی وہ کامیاب رہتا ہے۔ اب غور کرو کہ اس نور اسلام کا منبع اور مخزن کون ہے اور کہاں ہے۔ یہ ہی ہمارے نبی مکرم ﷺ کی ذات پر انوار ہے۔ اسی ذات سے یہ نور اس دنیا میں پھیلا ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ غالباً اب آپ کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ ہمارے حضور ﷺ کن معنوں میں نور ہیں اور حقیقتاً نور ہیں۔ لیکن یہ خیال کہ حضور ﷺ بشر نہ تھے اور حضور ﷺ کا جسم مبارک مادی نہیں بلکہ خالص نور تھا تو یہ خیال چونکہ قرآن، احادیث اور امر واقعہ کے خلاف ہے اس لئے محض طفلانہ ہے۔ پڑھے لکھے آدمی ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔

اب میرا روئے سخن حلقہ کے ان احباب کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا اور جن کو سمجھانے کے لئے یہ سب کچھ لکھنا پڑا۔ آپ لوگوں کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو آپ اپنے ان مشرکانہ عقائد سے بصدق دل توبہ کریں یا ہمارا حلقہ چھوڑ کر کسی ایسے حلقے میں شامل ہو جائیں اور ایسے شیخ سے بیعت کر لیں جو آپ کا ہم عقیدہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا، زبان سے کچھ کہتے رہے اور دل میں وہی عقیدہ رکھا تو جان لیجئے کہ آپ اول درجے کے منافق ہیں، جو کافروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ کافر میں کم از کم یہ خوبی تو ہے کہ اپنے عقیدہ کفر کا صاف صاف اقرار کرتا ہے چھپاتا نہیں۔ یاد رکھئے منافق کا انجام بہت ہی دردناک اور عبرت انگیز ہوا کرتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ

برادران حلقہ! یہ تو تھیں ہمارے حلقے کے بنیادی عقیدے کی باتیں اب دوسری باتوں پر بھی کچھ روشنی ڈالنا اور تبصرہ کرنا ضروری ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے تحریر و تقریر میں یہ بات ہزاروں بار کہی ہے کہ مجھے حلقہ کی تعداد بڑھانا ہرگز منظور و پسند نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ حلقہ میں کم سے کم آدمی ہوں لیکن وہ سب کے سب عقیدے کے لحاظ سے پکے مسلمان اور توحیدی ہوں اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے مومن۔ لیکن افسوس ہے کہ بار بار کی تاکید و تنبیہ کے باوجود ہمارے کئی خادمان حلقہ نے محض تعداد بڑھانے کے لئے بہت سے جاہل اور نااہل لوگوں کو حلقہ میں شامل کر لیا ہے اور یہی لوگ تکلیف و فساد کا باعث ہوتے ہیں۔ دراصل ان لوگوں کو خدا کی طلب تو ہوتی نہیں محض رسماً مرید ہو جاتے ہیں یا پھر اس خیال سے حلقہ میں شامل ہوتے ہیں کہ دنیا سدھر جائے گی۔ ایسے نااہل لوگوں کی درآمد کو روکنے کے لئے ہی میں نے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ جو کوئی حلقہ میں شامل ہونا چاہے پہلے اس کو طالب بنا کر حلقہ کی تعلیم سکھا دی جائے اور برس دو برس دیکھا جائے کہ وہ کچھ کرتا ہے یا نہیں اگر وہ پکا

ثابت ہو' اس میں کچھ آثار روحانیت پیدا ہو جائیں اور اس کے اخلاق کی اصلاح ہو جائے تب اس کو بیعت کر لیا جائے ورنہ نہ کیا جائے۔ اس قاعدے پر سختی سے عمل نہیں کیا گیا۔ اس لئے بہت سے آدمی حلقہ میں ایسے گھس آئے جو اب درد سر بنے ہوئے ہیں۔ تاہم میں خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں اب بھی اسی فیصد آدمی اخلاق کے لحاظ سے اور پچیس فیصد آدمی اخلاق و روحانیت دونوں لحاظ سے نہایت اچھے اور پکے ہیں۔ مگر میری دلی خواہش یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد جو روحانی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے بلند مرتبہ ہوں سو فیصد ہونی چاہئے۔ اس لئے میں اپنے حلقہ کے خادموں اور مجازین کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ لوگوں کو حلقہ میں شامل کرتے وقت بہت ہی احتیاط سے کام لیں۔ جلدی بیعت نہ کرائیں اور اس وقت تک طالب ہی رہنے دیں جب تک کہ وہ ہمارے معیار پر پورے نہ ہو جائیں۔

عبادت و اذکار

میں نے جہاں تک غور کیا ہے حلقہ کے ستر اسی فیصد آدمی نماز روزے کے خوب پابند ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو تہجد بھی پڑھتے ہیں اور نفی اثبات کا ذکر علی الصبح کرتے ہیں لیکن بیس تیس فیصد ایسے بھی ہیں جو نماز باقاعدہ نہیں پڑھتے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کئی کئی ہفتہ نماز نہیں پڑھتے۔ اول الذکر کا کیا کہنا ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نماز کا اور زیادہ شوق عطا فرمائے اور ان کی نمازوں کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ لیکن افسوس ہے ان کی حالت پر جو نماز باقاعدہ نہیں پڑھتے یا عرصہ دراز تک ناغہ کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو طریقت توحیدیہ غور سے پڑھنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ نماز باقاعدہ پڑھنے سے ہی انسان پکا مسلمان بنتا ہے اور جو پکا مسلمان ہی نہ ہو وہ لاکھ ذکر کرے مومن کس طرح بن سکتا ہے اور درجہ احسان پر کس طرح فائز ہو سکتا ہے۔ نماز نہ پڑھنے والوں میں سے اکثر آدمیوں کے جو خطوط میرے پاس آتے ہیں۔ ان میں وہ لکھتے ہیں کہ "مجھ کو نماز پڑھنے میں سخت سستی اور کاہلی محسوس ہوتی ہے۔ اس واسطے ناغہ ہو جاتی ہے" یا یہ کہ "ڈیوٹی کی وجہ سے نماز نہیں ہو سکتی" یا یہ کہ "نماز میں دل نہیں لگتا" اور ایسی باتیں لکھنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "آپ دعا کریں کہ میں نماز باقاعدہ پڑھا کروں" میں ان لوگوں کو ہمیشہ یہ جواب دیتا ہوں کہ نماز کے لئے سستی اور کاہلی وغیرہ کا عذر بالکل مسموع نہیں ہو سکتا۔ نماز ایک اختیاری شے ہے۔

اختیاری شے کے لئے دعا نہیں کی جاتی۔ آپ سستی کاہلی وغیرہ کے باوجود نماز پڑھیں۔ رفتہ رفتہ عادت ہو جائے گی۔ آپ باقاعدہ نماز پڑھنے لگیں گے اور دل بھی لگنے لگے گا۔ میں ان حضرات سے پھر کہتا ہوں کہ براہ مہربانی مجھ کو ایسی اختیاری باتوں کے لئے دعا کے واسطے نہ لکھا کریں خود کوشش کریں۔ دعا البتہ میں کر بھی دیتا ہوں لیکن جس چیز کی آپ کو دل سے رغبت اور خواہش ہی نہ ہو اس چیز کے لئے دوسروں کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ دعا تو ان چیزوں کے لئے قبول ہوتی ہے جن کی آپ کو دل سے خواہش ہو

اور وہ باوجود کوشش بسیار میسر نہ آئیں۔ روزے کے متعلق جہاں تک مجھے علم ہے تقریباً" سبھی رکھتے ہیں سوائے ان چند آدمیوں کے جو شرعاً" معذور ہوں۔ زکوۃ اور حج کا مجھے علم نہیں کہ ہمارے حلقہ میں کن کن لوگوں پر فرض ہے۔ صرف تین چار آدمی ہیں جو ہر سال زکواۃ کا کچھ حصہ حلقہ فنڈ میں دیتے ہیں۔ حج کی بابت مجھے مطلق علم نہیں کہ کس کس پر فرض ہے۔ بہرحال جن لوگوں پر یہ دونوں چیزیں فرض ہوں ان کو ضرور یہ فرض ادا کرنا چاہئے۔ اس سے خدا ان کے مال و دولت میں بہت برکت دے گا اور آخرت میں سرخرو فرمائے گا۔ جو لوگ یہ فرض ادا نہ کریں گے مرنے کے بعد اللہ ان سے پوچھے گا اور وہ سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

اب رہے اذکار۔ یعنی پاس انفاس اور نفی اثبات کا ذکر۔ تو وہ اس قدر آسان ہیں کہ ان کے لئے مطلق وقت درکار ہی نہیں ہوتا۔ پاس انفاس تو آپ دن اور رات میں جس وقت بھی خالی ہوں اسی وقت کر سکتے ہیں' چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے۔ بتایئے یہ کونسا مشکل کام ہے۔ اب اس سے زیادہ آسان ترکیب تو میں بتا نہیں سکتا۔ رہا نفی اثبات تو میں نے بتایا ہے کہ وہ دس یا زیادہ سے زیادہ بیس منٹ کرنا کافی ہے۔ اگر آپ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے پندرہ بیس منٹ بھی خرچ نہیں کر سکتے تو پھر یقین کر لیجئے کہ آپ کا سلوک کبھی کامیابی سے طے نہیں ہو سکتا اور آپ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ عجیب بات ہے کہ اگر آپ کو لاہور سے پشاور یا کراچی جانا ہو تو اس کے لئے کتنا اہتمام کرتے ہیں۔ ٹیکسی منگاتے ہیں اس پر سٹیشن جاتے ہیں وہاں ٹکٹ خریدتے ہیں پھر گھنٹوں ریل میں بیٹھے رہتے ہیں تب منزل مقصود پر پہنچتے ہیں۔ مگر خدا تک پہنچنے کے لئے دس پندرہ منٹ بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ شرم آنی چاہئے۔

بات دراصل یہ ہے کہ سستی و کاہلی اور دل نہ لگنا تو بہانے ہیں ان لوگوں کو خدا کی طلب ہی نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو محض رسماً" حلقہ کے خدام کی بے پروائی سے حلقہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جن کو طلب تو ہو لیکن قوت ارادی اس قدر کمزور ہو کہ سستی و کاہلی پر غالب نہ آ سکے۔ ان لوگوں کو قوت ارادی کے طاقتور بنانے کی ایک ترکیب بتا سکتا ہوں۔ اگر وہ کوشش کریں گے تو کامیابی یقینی ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ آپ کسی چھوٹی اور معمولی سی بات کو جس کا کرنا آپ کے لئے بہت ہی آسان ہو اپنے اوپر لازم کر لیں اور وقت مقررہ پر اس کو ضرور کر لیا کریں۔ جب اس کی عادت ہو جائے تو اس سے کچھ مشکل سی بات کو اسی طرح اپنے اوپر لازم کر کے انجام دیتے رہیں اور یونہی رفتہ رفتہ آسان باتوں سے مشکل باتوں کی طرف بڑھتے اور کرتے رہیں۔ اس طرح ایک دن وہ آئے گا جب مشکل سے مشکل بات بھی آپ کو بالکل آسان معلوم ہو گی اور اس کو سرانجام دینے میں آپ کو ذرا بھی تکلف یا دقت نہ ہو گی۔ اس بات کو زیادہ واضح اور قابل فہم بنانے کے لئے دو ایک مثالیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح آپ اس ترکیب کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے۔

مثلاً" آپ یہ بات اپنے اوپر لازم کر لیں کہ جب سونے لگیں تو کسی معمولی سی چیز مثلاً" کرسی کو اس کی

جگہ سے اٹھا کر کسی خاص جگہ پر رکھ دیا کریں تب سوئیں۔ اب آپ روزانہ کرسی کو اٹھا کر اسی خاص جگہ پر رکھ دیا کریں یہاں تک کہ آپ کو اس کی عادت ہو جائے یعنی بغیر ارادہ کئے عادتاً ایسا کرنے لگیں۔ اس کے بعد آپ اس کام کو چھوڑ کر کوئی ذرا مشکل کام اپنے اوپر لازم کر لیں۔ مثلاً یہ کہ جب تک آپ اپنے کمرے یا صحن میں پورے سو قدم گن کر ٹہل نہ لیں اس وقت تک ہرگز نہ سوئیں۔ جب یہ بھی ہو جائے تو گھڑی دیکھ کر پورے دس یا پندرہ منٹ ٹہلنا یا کچھ پڑھنا لازم کر لیں۔ یہ بھی ہو جائے تو پھر یہ لازم کر لیں کہ روزانہ وضو کر کے سویا کریں یہ بھی ہو جائے تو وضو کے بعد دو نفل پڑھنا بھی لازم کر لیں۔ اس کے بعد دنیا کے کاموں میں سے کوئی مشکل سا کام منتخب کریں اور دو چار سال یونہی کرتے رہیں۔ آخر میں آپ دیکھیں گے کہ انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے آپ کی قوت ارادی اتنی طاقتور ہو جائے گی کہ دنیا کا کوئی کام آپ کے لئے مشکل نہ رہے گا۔ مگر شرط یہی ہے کہ آپ دل سے یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہوں اپنے آپ کو دھوکا نہ دے رہے ہوں۔

ذکر اذکار وغیرہ کا بیان کافی ہو چکا۔ اب مجاہدہ کے متعلق بھی کچھ کہنا ضروری ہے۔ تو مجاہدے کی بابت میں نے آپ کو صرف یہ بتایا ہے کہ دو چیزیں چھوڑ دیجئے اور دو اختیار کر لیجئے۔ یعنی غصہ اور نفرت چھوڑ دیجئے اور ان کی جگہ عالمگیر محبت اور صداقت یعنی حق کو اختیار کر لیجے۔ ان کا مفصل بیان تو آپ نے "تعمیر ملت" اور "طریقت توحیدیہ" میں پڑھ ہی لیا ہو گا۔ یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ ہمارے اہل حلقہ نے ان باتوں پر کہاں تک عمل کیا ہے۔ چنانچہ میں یہ بات کسی قدر وثوق بلکہ فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارے میں اہل حلقہ کی اکثریت نے کمال کر دکھایا ہے۔ یعنی حلقہ کے بیس پچیس فیصد آدمی ایسے ہیں جنہوں نے غصہ کو بالکل نفی کر دیا ہے یعنی غصہ پر قابو پا لیا ہے۔ (دیکھئے تعمیر ملت) ساٹھ ستر فیصد آدمی ایسے ہیں جن کا غصہ بہت ہی کم ہو گیا ہے صرف دس بارہ فیصد آدمی ایسے ہیں جن کا غصہ بالکل کم نہیں ہوا۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو حلقے کی تعلیم پر مطلق عمل نہیں کرتے۔ ان لوگوں سے تو کچھ کہنا فضول ہے۔ لیکن جن کا غصہ کم ہو چکا ہے اور وہ واقعی اس کو نفی کرنا چاہتے ہیں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ غصہ نفی کرنے کی مشق ان کی اپنے گھر میں ہی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غصہ عام طور پر اپنے سے کمزور اور اپنے دست نگر لوگوں ہی پر آتا ہے۔ اپنے سے بڑے اور طاقتور لوگوں پر تو غصہ صرف انہی کو آ سکتا ہے جو بالکل ہی پاگل ہوں۔ تو آپ کو بھی غصہ اپنی بیویوں اور بچوں پر ہی آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی مرتبہ آپ کو غصہ آئے اتنی ہی مرتبہ آپ کو غصہ کم کرنے کی مشق کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ اس لئے آپ یہ مشق گھر ہی سے شروع کریں اور اپنی بیویوں اور بچوں پر غصہ نہ کیا کریں۔ اگر آپ ان کی اصلاح کے لئے ان پر غصہ کرنا بجا سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ اصلاح تو صرف پیار و محبت اور مصلحت و حکمت سے ہی ہو سکتی ہے۔ سختی اور غصہ سے تو کام اور بگڑ جاتا ہے۔ دیکھئے مسلمان کے گھر کو نبی کریم ﷺ نے حرم فرمایا ہے۔ حرم میں کیا ہوتا ہے؟ نہ کوئی کسی کو قتل کر سکتا ہے۔ نہ مار پیٹ سکتا ہے نہ سخت آواز ہی

سے بول سکتا ہے۔ جو فرمایا گیا ہے حضور اکرم ﷺ کا مطلب یہی ہے کہ ایک مسلمان کے گھر میں کمال سکون، اطمینان، مسرت، خوشی اور امن و امان ہونا چاہئے۔ ایسے گھر جنت کا نمونہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ جنت میں ہوں گے وہ وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے" (سورۃ الغاشیہ) سورۃ واقعہ میں ہے کہ "وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے نہ گالی گلوچ" (سورۃ نساء) میں ہے کہ "وہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ اور خرافات" غور کیجئے کہ جہاں بکواس تک بھی نہیں ہوگی وہاں لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ کا بھلا کیا کام۔ ویسے بھی غور کیجئے کہ جس گھر میں مار پیٹ اور لڑائی جھگڑا رہتا ہو وہاں بچے کیسے اٹھیں گے۔ وہ آوارہ نکمے 'بچے' بد اخلاق' کم حوصلہ یا ایک جملے میں یوں کہئے کہ شرافت سے بالکل عاری ہوں گے اور بڑے ہو کر بھی ذلیل و حقیر ہی رہیں گے اور اس کی ذمہ داری ماں باپ پر ہوگی۔ بلکہ باپ پر زیادہ ہوگی کیونکہ باپ عام طور پر تعلیم یافتہ' جہاندیدہ اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو بیویوں کی سو فیصدی اصلاح کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ چاہیں کہ مار پیٹ اور لڑائی جھگڑے سے اصلاح کر لیں تو یہ ناممکن ہے۔ مفصل بیان کے لئے تعمیر ملت دیکھئے۔

کچھ لوگ حلقہ میں ایسے بھی ہیں جو غصہ کے علاوہ بیویوں سے نفرت بھی کرتے ہیں یا ان کو پسند نہیں کرتے۔ یہ بہت ہی ناسمجھ لوگ ہیں۔ نفرت اگر صورت شکل سے ہے تو یہ بات شادی سے پہلے دیکھنی کی تھی۔ شادی کے بعد اور خصوصاً کئی سال بعد نفرت کا پیدا ہو جانا عجیب سی بات ہے۔ میرے خیال میں تو یہ بات خود مردوں کے چال چلن کی خرابی اور اوباشی کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ نفرت اگر عورت کی عادتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو اس کی بابت میں ابھی بتا چکا ہوں کہ عادتوں کی اصلاح کی زیادہ ذمہ داری مرد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ صبر' محبت اور حکمت و مصلحت سے کام لیا جائے تو عورت کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا کچھ بھی دشوار نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ عورت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے اس کی خلقت پسلی کی طرح ٹیڑھی ہے۔ اس کو زیادہ نہ دباؤ ورنہ ٹوٹ جائے گی۔ دیکھئے یہ کتنا حکمت آموز کلام ہے۔ اب اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔ بہرحال اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا گھر جنت کا نمونہ ہو تو اس کے لئے آپ کو خوب محنت کرنی پڑے گی۔ صرف سوچتے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو صبر کرنا ہوگا۔ خود اپنی بری عادتیں بدلنی پڑیں گی' غصہ کو ختم کرنا ہوگا اور یہ جو کچھ بھی آپ کریں گے اس سے خود آپ ہی کو فائدہ ہوگا۔ دماغ و دل کو راحت ملے گی۔ اطمینان قلب حاصل ہوگا جس کی وجہ سے آپ کے دنیوی کام آسان ہو جائیں گے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

غصہ اور نفرت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا میرے خیال میں ایک طالب صادق کے لئے کافی زیادہ ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی اصلاح کرنا ہی نہیں چاہتے ان کے لئے اگر اس سے ہزار گنا زیادہ بھی لکھا جائے تو بھی فضول ہے۔ اب ایک نظر اس بات پر بھی ڈالنی چاہئے کہ اہل حلقہ نے عالمگیر محبت اور صداقت و حق کو

اختیار کرنے میں کیا کچھ کیا ہے تو جہاں تک محبت کا سوال ہے میں کافی مطمئن ہوں لیکن اختیار حق کے معاملہ میں ہمارے حلقہ کی اکثریت ابھی بہت پیچھے ہے۔ اس میں ترقی کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ "طریقت توحیدیہ" میں میں نے لکھا ہے کہ جہاں محبت اور حق کا مقابلہ آن پڑے تو محبت کو قربان کر دو اور حق پر ڈٹ جاؤ خواہ اس میں کیسی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ محبت ایک میٹھی چیز ہے اور اس کے اختیار کرنے میں مزہ ہی مزہ ہے۔ لیکن "حق" کڑوا ہوتا ہے اور اس کو اختیار کرنا مشکل ہے۔ تاہم محبت کے مقابلہ میں اگر حق کو اختیار نہ کیا جائے تو یہ نظام عالم دو دن میں تباہ ہو جائے۔ اس لئے آپ کو حق پر چلنے اور قائم رہنے کی بھی سخت کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن اس میں آپ کو اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ آپ حق پر ہیں بھی یا نہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ ایک بات کو حق سمجھتے ہیں حالانکہ وہ حق نہیں ہوتی اور آپ غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً آپ کا افسر یا شیخ حلقہ آپ کو حکم دیتا ہے جو آپ کو ناجائز معلوم ہوتا ہے' اس وقت آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ ایسے وقت پر آپ کو یہ سوچنا چاہیئے کہ انسان جب کسی ادارے میں داخل ہوتا ہے تو قدرتاً" یا حقیقتاً" وہ یہ عہد کرتا ہے کہ اس ادارے کے تمام قوانین و قواعد پر عمل کرے گا (سوائے ان لوگوں کے جو شامل ہی جاسوسی اور بغاوت پھیلانے کے لئے ہوئے ہوں) اس طرح وہ اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے کہ اپنے سربراہوں کا ہر حکم مانے گا۔ پس جب کبھی متذکرہ بالا قسم کی الجھن پیش آئے تو اس کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس کے لئے "حق" یہ ہے کہ اپنے سربراہوں کا حکم مانے۔ یہ حکم غلط ہے یا صحیح' اس کی ذمہ داری اس پر نہیں بلکہ اس کی سربراہوں اور حکم دینے والوں پر ہے۔ دراصل یہ فلسفہ اخلاق کا ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس چھوٹے سے خطبہ میں اس پر سیر حاصل بحث ناممکن ہے۔ اس لئے جس کسی بھائی کو شوق ہو مجھ سے زبانی گفتگو کر کے سمجھ سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ حلقہ کی تنظیم و تعلیم پر کافی تبصرہ ہو گیا۔ جو لوگ واقعی کچھ کرنا اور فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک بات اور بتانی ہے اور وہ یہ کہ جس کسی نے غصہ جیسے دیو کو زیر کر لیا اس کی قوت ارادی اتنی طاقتور ہو جاتی ہے کہ وہ باقی برائیوں کو بھی دور کر سکتا ہے۔ اسلئے ہر طالب صادق کا فرض ہے کہ وہ خود اپنی خامیوں اور برائیوں پر نظر رکھے اور قوت ارادی کی مدد سے ان کو دور کرے۔ انشاء اللہ وہ منزل مقصود پر بخیر و خوبی پہنچ جائے گا۔

آیئے اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کے صدقہ اور توسل سے ہمارے حلقہ کے ہر آدمی کو صراط المستقیم پر قائم رکھے۔ دین اور دنیا دونوں کی نعمتوں سے سرفراز کرے اور اپنا قرب و دیدار عطا فرمائے۔ ہم سے خلق خدا کی خدمت و ہدایت کا کام لے اور ہمارا انجام بخیر کرے۔ آمین یا رب العلمین

(لاہور 17 اپریل 1967) (بحوالہ چراغ راہ خطبہ نمبر 6)

ذکر الٰہی سے تشکیل کردار

(سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری)

ذکر کے معنی ہیں بیان، قول، یاد کرنا اور یاد رکھنا۔ قرآن مجید میں ذکر کا لفظ کئی مقامات پر آیا ہے۔

واذکراسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

"اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کچھ چھوڑ کر اس کے ہو جاؤ" (سورۃ مزمل)

سورۃ بقرہ میں ہے

فاذکرونی اذکرکم

"پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا"

سورۃ الاحزاب میں ہے

یایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا ۝

"اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو"

سورۃ النساء میں ہے

فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم

"جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے"

سورۃ الاعراف میں ہے

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفہ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین ۝

"اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا"

اسی طرح سورۃ طہٰ کے مطابق

واقم الصلوۃ لذکری "میری یاد کے لئے نماز کھڑی کر"

اور سورۃ العنکبوت کے مطابق

ولذکر اللہ اکبر "اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے"

آیات قرآنی سے ہر لحظہ' ہر لمحہ اور ہر حالت میں ہر وقت یاد الٰہی کا تصور کہیں تاکید' کہیں نصیحت اور کہیں ہدایت کی صورت میں ملتا ہے۔ یہ نماز پنجگانہ' نوافل اور تلاوت قرآن پاک ذکر خداوندی کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ علماء کے نزدیک ذکر' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے۔ صوفیاء کرام ذکر الٰہی کو معرفت الٰہی کا ذریعہ جانتے ہیں۔

ذکر انسانی زندگی میں اور انسانی کردار کی تشکیل میں کس قدر پر تاثیر ہے اس کا درست اندازہ تو ایک ذاکر ہی کر سکتا ہے جو ذکر کے ثمرات کو اپنے روز و شب میں سمیٹتا ہے۔

اللہ کا ذکر انسان میں اخلاقی جواہر کو بیدار کرتا ہے۔ اس میں محاسن اخلاق پیدا کرتا ہے۔ انسانی تعلقات نرم مزاجی' خوش کلامی اور تواضع سے مزین ہوتے ہیں۔ انفرادی و اجتماعی معاملات عفو و درگزر' سخاوت' احسان اور ایثار و قربانی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ کردار شرم و حیا' صبر و شکر' قناعت و استغناء توکل و رضا اور اخلاص وللہیت کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ دل نور الٰہی سے سرشار اور محبت الٰہی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس ذاکر کی شخصیت کی کیا تعریف کی جائے اس کی ہر ادا دلفریب بن جاتی ہے۔ شخصیت کا ہر انگ اور ہر زاویہ دلپسند بن جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر ذاکر میں رعب و ہیبت' لذت و حلاوت اور غور و تدبر پیدا کر دیتا ہے۔

اقبال نے شاید ایسے ہی انسان کے بارے میں کہا تھا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے' حقیقت میں ہے قرآن
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں ہر توحیدی اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل

سمجھتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہے اور نہ کوئی توقع رکھتا ہے۔ اللہ پر اپنے ایمان کو پہلے محکم سے محکم تر بنانے کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کامل اور احسان کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اللہ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت پر مقدم رکھتا ہے اور اسے مسلسل بڑھانے کی سعی کرتا ہے۔ اپنے کسی قول یا فعل سے کسی انسان کو دکھ' رنج' تکلیف یا نقصان نہیں پہنچاتا۔ غصہ اور نفرت کو قطعی نفی کرتا ہے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو ہر شعبہ زندگی میں اپنا شعار بناتا ہے۔ محبت اور صداقت کے مقابلہ میں محبت کو صداقت پر قربان کر دیتا ہے اپنے فرائض منصبی' حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرتا ہے۔ اپنے ظاہر و باطن کو ذکر الٰہی سے اللہ کے رنگ میں رنگنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ "اللہ کا رنگ" جس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ○

"اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے پیارا کس کا رنگ ہے"

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنے خطبات "چراغ راہ" میں تصوف کے انسانی کردار پر بیش بہا اثرات کا ذکر کیا ہے۔ تصوف و راہ سلوک میں تمام تر ترقی ذکر اذکار کی مرہون منت ہے۔

علم باطن یا علم سریات ان چیزوں اور طاقتوں کا علم ہے جو حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں مگر ان پر کامل ایمان ضروری ہے جیسے خدا' رسول' فرشتے' الہامی کتابیں' قیامت' حقیقت خیر و شر' حیات بعد الموت اور جنت دوزخ وغیرہ۔

اس علم سے خدا پر ایمان اور دوسری زندگی میں جزا و سزائے اعمال پر یقین اس قدر مستحکم ہو جاتا ہے کہ بال برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا ایسے آدمی سے دنیوی زندگی میں کوئی گناہ یا لغزش نہیں ہوتی اور ہمیشہ صراط مستقیم پر چلتا رہتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جو لوگ کسی دنیوی علم میں کمال حاصل کر لیتے ہیں مثلاً" ڈاکٹر' انجینئر اور سائنسدان۔ وہ کس قدر دانشور اور عظیم المرتبت ہوتے ہیں۔

بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جو نفوس قدسی علم باطن میں کمال حاصل کر لیں ان کے مرتبے کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ بقول اقبال

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اسی باطنی علم میں کشف الغیوب بھی ہے ان بزرگوں کو یہ بھی بدرجہ اولیٰ میسر ہوتا ہے۔ وہ کسی آدمی کا گذشتہ یا آئندہ حال معلوم کرنا چاہیں تو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ باتیں بھی جو خود اس آدمی کو بھی یاد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

"ایک ذرہ برابر بھی خیر و شر تم کرتے ہو لکھ لیا جاتا ہے اور قیامت کے دن تمہارے سب اقوال و اعمال تم کو دکھائے جائیں گے"

ان نحن نحیی الموت ونکتب قدموا و اثارھم و کل شی احصیناہ فی امام مبین (سورۃ یاسین)

سائنس کی یہ تحقیق ہے کہ

دنیا میں ایک مرتبہ جو حرکت یا آواز پیدا ہوتی ہے وہ ایتھر میں محفوظ ہو جاتی ہے اور کبھی بھی فنا نہ ہو گی۔ اس سے صداقت قرآن کا اندازہ کر لیجئے۔

کاملین تصوف کو ذکر الٰہی سے وہ بصیرت و بصارت مل جاتی ہے کہ جس واقعہ یا جس شخص کا گذشتہ حال معلوم کرنا چاہیں اس کا یہ اثیری ریکارڈ دیکھ کر معلوم کر سکتے ہیں یہ تو تھا ماضی کا حال

اولیاء کرام کو تو مستقبل کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ سائنس ابھی تک یہ نہیں جان سکی کہ جو حالات آئندہ پیش آنے والے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں؟ ان کا ماخذ کیا ہے؟ لیکن ایک صوفی کامل کو یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کو خود اپنی تقدیر کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کو فلاں فلاں مصیبتیں آئیں گی اور فلاں فلاں نعمتیں ملیں گی لیکن وہ نہ مصیبتوں پر پریشان ہوتا ہے نہ نعمتوں پر فخر و غرور کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی مرضی یوں ہے۔ یہ سب کچھ یوں ہی ہو کر رہے گا۔ اس لئے وہ تسلیم و رضا کے مسلک پر ثابت قدم ہو جاتا ہے اور اللہ کے اس حکم پر پوری طرح عمل کرتا ہے کہ

"اگر تمہاری کوئی چیز تم سے چلی جائے تو اس کا افسوس نہ کرو اور اگر تم کو کوئی نعمت مل جائے تو اس پر نازمت کرو" (القرآن)

اس طرح اس کو استغنائے کامل حاصل ہو جاتا ہے اور دائمی اطمینان قلب کی وہ دولت میسر آ جاتی ہے جو دنیا کے کسی علم سے بھی بدرجہ کمال میسر نہیں آسکتی۔

یہ ہیں ذکر سے حاصل ہونے والے علم باطن کی برکتیں اور ان کا اثر جو ایک صوفی کی زندگی پر پڑتا ہے اور جو اسے دوسرے عوام و خواص سے ممتاز و افضل بنا دیتا ہے۔

ذکر سے ہی وہ برقی حرارت قلب میں پیدا ہوتی ہے جس کو روحانی طاقت کہتے ہیں۔ اسی حرارت سے وہ خوشی اور کیف و سرور سالک کو حاصل ہوتا ہے جو دنیوی حرام شراب پینے والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ ان تمام فوائد کے علاوہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسی ذکر کے ذریعہ سے انسان کا تعلق خدا کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جوں جوں اس ذکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے یہ تعلق گہرا اور قوی سے قوی تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق آخر کار "اللہ تعالیٰ اس سالک کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے' اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ کام کرتا ہے" "گفتہ او گفتہ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود"

اس میں شک نہیں کہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے سالک کو معمولی نماز کے علاوہ کافی وقت نوافل میں بھی گزارنا پڑتا ہے لیکن اصل روح ان نوافل میں بھی ذکر کی ہوتی ہے۔ ذکر سے عقل سلیم اور قلب سلیم پیدا ہوتے ہیں۔

جب انسان اپنے آپ کو' اپنی حقیقت اپنی آمد دنیا کا مقصد اور کائنات کے وجود اور اس طرح کے کئی دوسرے امور حقیقت اور وجوہات جاننا چاہتا ہے تو عقل سلیم کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب امور ماورائی ہیں اس راہ کا مسافر تو عقل سلیم کی مدد کے بغیر دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اس میدان میں عقل سلیم آخری منزل تک سالک کا ساتھ نہیں دے سکتی تاہم یہ اس کو صراط مستقیم پر ڈال کر ایک ایسے آستان قدسی تک پہنچا دیتی ہے جس میں داخل ہونے کے بعد ہر مشکل آسان اور ہر راہ ہموار ہو جاتی ہے اس مقام پر عقل سلیم کا کام ختم اور اس سے آگے کا کچھ راستہ قلب سلیم کی معیت و راہنمائی میں طے ہوتا ہے۔

مدت دراز تک عبادت 'مجاہدہ' تزکیہ اخلاق اور ذکر و فکر سے اللہ سے قوی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ ہر امر میں اس کو اللہ سے براہ راست ہدایت ملنے لگتی ہے۔ وہ خیر و شر کی پہچان اور اپنے حقوق

کی بجاآوری میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔ دنیا کے جتنے انفرادی یا اجتماعی مسائل اسے پیش آتے ہیں سب کو کما حقہ سمجھتا اور ہمیشہ صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ ذکر الٰہی سے پیدا ہونے والے قلب سلیم کی برکتیں کہاں تک گنوائی جائیں مختصر یہ کہ صاحب قلب سلیم براہ راست اللہ کی نگرانی اور حفاظت میں آجاتا ہے اور ہر قسم کے مضرات و مہلکات سے بچا رہتا ہے۔

آخر میں بس اتنا عرض ہے کہ انفرادی طور پر ذکر الٰہی ایسا فرد تیار کرتا ہے جو اپنے معاملات کا امین ہوتا ہے اپنے تمام تر حقوق کی ادائیگی میں سرخروئی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اجتماعی طور پر ایسا گروہ پیدا کرتا ہے جس میں انسانی خصوصیات بدرجہ انتہا موجود ہوتی ہیں اور اللہ کی جانب سے رحمت اور نصرت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ قانون فطرت کے مطابق عروج و اقتدار ایسے ہی لوگوں کا مقدر بنتا ہے۔

قرون اولیٰ کی تاریخ شاہد ہے کہ جو لوگ زندگی کی تاریک شب کو سحر کرتے ہیں یقیناً" باگ حکومت ان کے ہاتھ آجانے پر سلطنت میں ہر شعبہ ہائے زندگی مستحکم، رعایا خوشحال اور سرحدیں لا محدود ہو جاتی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب میں اپنے ذکر کا ذوق و شوق جذبہ اور لگن پیدا فرمائے۔ رب کائنات سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا موجب بنائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ

سائنس اور ٹیکنالوجی

مترجم: (شیخ شوکت علی

اس صدی میں پانچ حیرت انگیز انکشافات

جنہوں نے ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کی کایا پلٹ دی ہے

سائنس کے کمالات اور تحقیقات کے کرشموں نے کچھ ایسے ہوش ربا حقائق آشکار کئے ہیں جن کی بدولت

☆۔ قدرت کے کارخانے میں ہم نے ایک اعلیٰ وارفع مقام حاصل کر لیا ہے۔

☆۔ اب تعمیر و تخریب کی ایک بے پناہ قوت ہمارے قبضہ اختیار میں ہے۔

☆۔ کرہ ارض کی ابتدا اور انتہاء کا مسئلہ کائنات کی بعید از قیاس وسعتوں میں گم تھا۔ بقول اقبالؒ

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے

نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

اب ان لامحدود وسعتوں کی تاریکی پر علم و عمل کی روشنی پھیل چکی ہے۔

پچھلے ایک سو برس کے دوران میں ہم قدرت کے پوشیدہ لائحہ عمل سے بہت سی واقفیت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ ان پانچ انکشافات کا ذکر ہے جنہوں نے نظام قدرت میں ہمارا صحیح مقام متعین کرنے کے لئے، ہمارے اپنے نقطہ نظر کا رخ تبدیل کر دیا ہے یہ انکشافات کسی پردے کے نقش و نگار کی طرح آپس میں ایک خاص مطابقت رکھتے ہیں۔ اس کا آغاز ایک سادہ سی مساوات (E=mc2) سے ہوا جس میں مادے اور قوت کے اسی تعلق کو ظاہر کیا گیا تھا۔ بعد میں مادے اور قوت کے اسی تعلق کی بنیاد پر ایک بے پناہ قوت کا ہتھیار تخلیق کیا گیا۔

نصف صدی کے بعد اسی طاقت کا مظاہرہ موت اور تباہی کی بجائے زندگی کی تخلیق کے لئے استعمال ہوا ہے اور اب اس کرہ ارض اور اس کی فضائی حدود کے تحفظ کے لئے بھی اس قوت کا

استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس صدی کے اختتام پر ایک ایسی دریافت کا انکشاف ہوا، جس نے ہماری توجہ ایک دھماکہ خیز عظیم قوت کے رونما ہونے کی طرف مبذول کر دی، جو زندگی کی تخلیق (اور تباہی) کا بھی مرکز تصور کی جا سکتی ہے۔ ان انکشافات کا مختصر ذکر آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ 1905ء۔ نظریہ اضافیت

"اگر میں روشنی کی شعاعوں پر سوار ہو جاؤں تو یہ زمین مجھے کس شکل میں نظر آئے گی" نوجوان البرٹ آئن سٹائن نے سوال کیا۔ وہ بعد میں اپنے سوال پر غور کرتا رہا۔ زمین کا کچھ ایسا نقشہ اس کے ذہن میں مرتسم ہو گیا کہ زمین وقت کے لحاظ سے ساکت نظر آئے گی۔ اس کی گھڑیاں رکی ہوئی اور اپنی تمام حرکات کے پس منظر میں بھی زمین ایک بے حرکت اور ساکن تصور کا روپ اختیار کر چکی ہو گی" 1906ء میں فزکس اور ریاضی میں ڈگری کا امتحان پاس کرنے کے بعد آئن سٹائن شادی کر لینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسے سوئٹزرلینڈ پیٹنٹ آفس میں ایگزامینر کے طور پر ملازمت مل گئی۔ اس ملازمت نے مالی حیثیت سے اسے ایک گونہ تحفظ کا احساس دیا۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ وقت کائنات کے معاملات پر غور و خوض کرنے میں صرف کرنے لگا۔ اس غور و فکر اور تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1925ء میں اس نے نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) پیش کر دیا جس نے کائنات سے متعلق وقت اور حرکت اور توانائی کے مروجہ نظریات اور خیالات کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ بعد میں علم ریاضی کی مدد سے آئن سٹائن نے مادے کی مقدار اور توانائی کو ایک سادہ سی مساوات کی صورت میں پیش کر دیا۔ E=mc2

کیا اس نظریے کو عملی صورت میں ٹیسٹ کرنا ممکن ہے؟ آئن سٹائن کے نظریہ کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ ایک ستارے میں سے روشنی کی شعاعیں ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ اگر وہ شعاعیں اجرام فلکی میں سے کسی بڑی جسامت کے ستارے کے قریب سے گزریں تو اس کی زیادہ کشش ثقل کی وجہ سے روشنی کی شعاعیں اس بڑے ستارے کی طرف جھک جائیں گی۔ یہ بڑی جسامت کا ستارہ ہما

سورج بھی ہو سکتا ہے اہل زمین کے لئے ایسے تجربے کا مشاہدہ کرنا بھی ممکن ہے۔

چنانچہ 1919ء میں 29 مئی کے دن ایک انگریز سائنس دان نے سورج گرہن کے دوران میں سورج کے قریب ایک ستارے کی تصویر بنائی۔ سورج کی کشش ثقل کی وجہ سے "ستارے کی شعاعوں میں "سورج کی طرف جھکاؤ" تصویر میں نظر آ رہا تھا۔ نظریہ اضافیت کا یہ انکشاف اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوا۔

2۔ 38-1911ء سے نئے انکشافات۔ ایٹم کی ساخت اور اس کے توڑنے کے تجربات

1911ء میں علم طبیعیات کے ماہر جناب ارنسٹ روور فورڈ نے تجربات سے یہ ثابت کیا کہ ایٹم کے مرکزے میں جو قوت محفوظ ہوتی ہے اس کو آزاد کرنا ممکن ہے۔ 1938ء میں سائنس دان جناب آٹوہان (Otto Hahn) اور جناب فرٹز سٹراس مین (Fritz strassman) نے ایسے تجربات کا مظاہرہ کیا جن کے ذریعہ سے ایٹم کے مرکزے کو توڑ کر توانائی کا اخراج ممکن ہوا۔ ایک سال بعد آئن سٹائن نے پریذیڈنٹ روزویلٹ کو ایک خط تحریر کیا تھا۔ جس میں یورینیم پر تجربات اور تحقیق کا ذکر تھا۔ اگر یورینیم کے ایٹم کو توڑا جائے تو اسکے نیوٹران دوسرے ایٹموں سے ٹکراتے ہیں۔ انکے مرکزے بھی ٹوٹتے جاتے ہیں اور یوں اس مسلسل رد عمل کی صورت میں ایک بے پناہ قوت کا اخراج ہوتا ہے۔ آئن سٹائن نے خط میں تحریر کیا کہ یہ بات ممکن نظر آتی ہے کہ اس نظریے کے مطابق نئی قسم کے انتہائی طاقت ور بم بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی پریذیڈنٹ روزویلٹ نے ایک بڑے پیمانے پر ایک تحقیقی تجرباتی منصوبے پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ فیصلہ ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔

1945ء میں 16 جولائی کے دن علم طبیعیات کے ماہرین کی ایک ٹیم نے جس کی سربراہی جناب رابرٹ اوپن ہیمر کر رہے تھے "ایک ایٹم بم کے پھٹنے کا مظاہرہ دیکھا جس کی طاقت 21000 ٹن TNT کے بم کے برابر تھی۔ انتہائی تیز روشنی اور ہیبت ناک طویل گڑگڑاہٹ اور دھماکے کے ساتھ

جوہری توانائی کے دور کا آغاز ہو گیا۔

3۔ 1953ء۔ڈی این اے (DNA) کی ساخت

کیا زندگی کی کسی صنف کا چربہ اتارنا ممکن ہے؟ وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بناء پر کسی صنف کی نئی نسل کا کوئی فرد، پرانی نسل کے کسی فرد سے، ہو بہو مشابہت رکھ سکتا ہے؟ 1953ء میں سائنسدان جیمز واٹسن (James Watson) اور فرانسس کرک (Franeis crick) کا بیان میگزین نیچر (Nature) میں شائع ہوا تھا کہ انہوں نے DNA کے سالمے کی دوہری لڑی میں بنی ہوئی قسم کو دریافت کر لیا ہے۔ جو ہر زندہ خلیے میں موجود ہوتی ہے۔ انہوں نے اس طریق کار کی ترتیب اور ترکیب پر روشنی ڈالی جس کی بدولت زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور وہ زندگی اپنی جملہ خصوصیات کے ساتھ نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہ تفصیل بے حد حیران کن تھی۔ ڈی این اے کے بل کھاتی ہوئی دوہری لڑی میں زندگی کے راز پوشیدہ ہیں۔ ایک بلند پایہ معجزاتی سیڑھی کی شکل میں ترتیب وار تولیدی خصوصیات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ گویا ہر ڈی این اے کے سالمے میں خفیہ پیغامات کا ایک خزانہ موجود ہے ان میں سے پسندیدہ خصوصیات، عادات و اطوار اور خدوخال کو موروثی طور پر دوسری نسل میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ وجود میں آنے والی یہ زندگی نباتات کا چربہ بھی ہو سکتی ہے اور کسی خلائی ہوا باز کا بھی۔ ......(اس سلسلے میں حیوانات پر بے شمار تجربات کلوننگ کے ذریعہ سے کئے جاسکتے ہیں۔ جن میں بھیڑ، بکری، گائے، چوہے وغیرہ شامل ہیں۔ کلوننگ کے بے شمار تجربات ناکام بھی ہوئے۔ "ڈالی" بھیڑ کی پیدائش سے پہلے ۲۷۶ تجربات ناکام ہو گئے تھے۔ اب تک "ڈالی" بھیڑ صحت مند معلوم ہوتی ہے۔ اس نے چار بچوں کو جنم دیا ہے۔ وہ بھی ہر اعتبار سے صحت مند ہیں۔ یہ پچھلے دو سال کی داستان ہے۔ اور عین ممکن نظر آتا ہے کہ حیوانات کے بعد حضرت انسان کو بھی ایک اعلیٰ نسل کی تخلیق کے چکر میں گھسیٹ لیا جائے کچھ ہی دن ہوئے۔ اس سلسلہ میں جناب صدر کلنٹن نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا تھا میں اشرف المخلوقات کی اس تذلیل کو ایک ناپسندیدہ فعل سمجھتا ہوں۔---- مترجم)

4۔ 1970۔ کرہ ارض پر گرین ہاؤس اثرات (GreenHouseEffect) درجہ حرارت میں اضافہ۔ ایک عظیم خطرے کی گھنٹی

1960ء سے پہلے اس کرہ ارض کے وجود میں آنے کے سلسلے میں متعدد انکشافات ہو چکے تھے۔ اب ایک نئے مسئلہ پر غور و خوض کرنے کا آغاز ہوا۔ "ماحولیاتی تحفظ" 1940ء میں ایک امریکی سائنسدان نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سیارہ زہرہ (Venus) کی فضا میں جو کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار موجود ہے وہ سیارے کی حرارت کو فضا سے خارج نہیں ہونے دیتی۔ اس وجہ سے سیارے کی سطح کے درجہ حرارت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ماحول کے بعد میں گرین ہاؤس سے تشبیہ دی گئی۔ ایک گرین ہاؤس میں جب سورج چمک رہا ہو' سطح زمین اور پودوں کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔ پودے تو اس گرمی کو ہوا میں پھیلا دیتے ہیں۔ لیکن یہ گرم ہوا گرین ہاؤس سے پوری طرح خارج نہیں ہو سکتی' کیونکہ گرین ہاؤس کو پلاسٹک یا شیشے سے بیرونی ماحول کے موسمی تغیرات سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے گرین ہاؤس میں درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔

1962ء میں میٹیلائٹ سیارے میری نر-۲ (Mariner-2) کے تجربات نے اس تجربے کو درست ثابت کیا۔ میری نر-۲ زہرہ کے قریب سے گزرا' اس کے تجربات کے مطابق زہرہ کی سطح پر درجہ حرارت 800F تھا سیارے زہرہ کی فضا پر کاربن ڈائی آکسائیڈ اور گندھک کے تیز آبی بخارات کی اتنی دبیز تہہ موجود ہے کہ اس سطح کے درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سائنسدانوں کے نظریات کے مطابق ایسی حالت ہماری زمین پر بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کو گرین ہاؤس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ (ہماری زمین کی فضا میں سے بھی کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آبی بخارات کی موجودگی کی وجہ سے گرمی کا مکمل اخراج ممکن نہیں رہا)۔ ہمارے سائنسدان پوچھتے ہیں کہ اگر ہمارے فضائی ماحول میں مختلف ذرائع سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کی سپلائی میں اضافہ ہوتا رہا تو کیا ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو زہرہ میں موجود ہے۔ پچھلے پچیس سال سے یہ گھنٹی خطرے کا اعلان کر رہی ہے۔ ماحول کی صفائی کا کام ہر طرف جاری ہے۔ خدا جانے زمین پر بسنے والے انسان اس جہاد میں کس حد تک

کامیاب ہو سکتے ہیں!

5- 1994ء ایک دم دار سیارہ شومیکر لیوی۔9 (Shoemaker Levy-9) سیارہ مشتری سے ٹکرا گیا

مارچ 93ء میں سائنس دان جین اور کرولین شومیکر کی ٹیم نے ایک نیا دم دار سیارہ دریافت کیا جب یہ سیارہ مشتری کے قریب سے گزرا تو اس کی جسامت چند ٹکڑوں پر مشتمل تھی۔ جولائی 1994ء میں اس دم دار سیارے کے 21 ٹکڑے سیارہ مشتری سے ٹکرا گئے۔ اس ٹکراؤ سے ایسے خوفناک دھماکے ہوئے کہ جن کی مثال نظام شمسی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان دھماکوں نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ شاید ہماری زمین پر زندگی کی تخلیق کا آغاز بھی کسی ایسے ہی ماحول میں حادثاتی طور پر ہوا ہوگا۔ جب کرہ زمین کا وجود اس قدر عمر رسیدہ نہ تھا۔ مختلف دم دار سیارے تقریباً ہر صدی میں شدید دھماکے کرتے ہوئے اس کے ساتھ ٹکراتے رہے اور ایسا نامیاتی مواد بھی کرہ زمین کو سپلائی کرتے رہے جن سے زندگی کا آغاز ممکن ہوا (دم دار سیارے جو زیادہ تر برف اور پتھر کا مجموعہ ہوتے ہیں ان میں پیچیدہ قسم کے نامیاتی (Moleula) مالی کیول بھی موجود ہوتے ہیں)

دم دار سیارے شومیکر۔9 نے مشتری پر پانی کی سپلائی بھی ایک چھوٹی جھیل کی شکل میں پہنچا دی ہے۔ ہم نے پہلی دفعہ نظام شمسی میں ایک سیارے کو پانی سپلائی کرنے کی منصوبہ بندی کا مشاہدہ کیا ہے۔

دم دار سیاروں کے دھماکے کرہ ارض پر موجود زندگی کو ختم کرنے کا باعث بھی بنے۔ اس ضمن میں ایک نمایاں مثال ڈینو سار مخلوق کی تباہی کی دی جا سکتی ہے۔ یہ 65 ملین سال پرانا قصہ ہے۔ اب 1994ء کے موجودہ دھماکوں نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہم کائناتی نظام کی ایسی اہم منصوبہ بندی پر غور کریں جس کا مقصد دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔ زندگی کی مکمل تباہی یا...... زندگی کی تخلیق!!

ڈیوڈ۔ ایچ لیوی

یہ مضمون لاس اینجلس ٹائمز کے (Parade) پریڈ میگزین میں 19، دسمبر 1999ء کے شمارے میں شائع ہوا

محترمہ ثریا

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

سوال! قبول اسلام سے قبل آپ کے مذہبی رجحانات کیا تھے؟

جواب! میرا تعلق ایک پروٹسٹنٹ عیسائی خاندان سے ہے' جس کے سب افراد مذہب سے دور ہیں لیکن میں بچپن ہی سے مذہب کی جانب رجحان رکھتی تھی چنانچہ میری عمر دس سال کی تھی جب میں نے اپنے پڑوسیوں سے فرمائش کی کہ وہ اتوار کو چرچ جایا کریں تو مجھے بھی ساتھ لے جایا کریں چنانچہ میں وقتاً" فوقتاً" ان کے ساتھ گرجا جانے لگی اور جب ہائی سکول میں پہنچی تو عیسائیت کی مختلف شاخوں اور فرقوں کے بارے میں علم حاصل کرنے لگی اس سلسلے میں میں نے کیتھولک مذہب کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا اور JEHOVAH,S WITNESS. MORMONS METHODIST اور PRES BY TERIAN جیسے مذاہب کے بارے میں بھی ضروری مطالعہ کیا مگر افسوس کہ میری روح پیاسی کی پیاسی رہی میرا وجدان جو کچھ طلب کرتا تھا مجھے کہیں نہ ملا مثال کے طور پر میرا ضمیر کہتا تھا کہ اس کائنات کے خالق و مالک وحدہ' لاشریک ہے جب کہ عیسائیت کے سب فرقے ابہام کا شکار ہیں۔

سوال! اس صورت حال میں دین اسلام سے آپ کا تعارف کیسے اور کب ہوا؟

جواب! میں ہائی سکول ہی میں پڑھ رہی تھی جب مجھے مشرق وسطیٰ کے بارے میں خاصی تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور اسی حوالے سے پہلے پہل "اسلام اور مسلم" کے الفاظ سے میری شناسائی ہوئی مگر سکول کے زمانے میں میری معلومات کا دائرہ بس یہیں تک محدود رہا' کالج میں پہنچی تو خوش قسمتی سے وہاں مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے مسلمان طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے' ان سے ملاقاتیں ہوئیں تو اسلام سے تعارف حاصل ہوا اور میں مذہب کے اس پہلو سے بہت متاثر ہوئی کہ یہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح جز وقتی (پارٹ ٹائم) مذہب نہیں بلکہ زندگی

کے ہر شعبے پر محیط ہے' اسلام چونکہ دن اور رات کے ایک ایک لمحے میں رہنمائی کرتا ہے اور عیسائیت کی مانند اس کی رفاقت کا دائرہ ایک ہفتے میں محض ایک گھنٹے تک محدود نہیں ہوتا' اس لئے جب ایک شخص اسے عملی طور اختیار کرے تو اس کی زندگی میں نظم و ضبط' سلیقہ اور استحکام پیدا ہو جاتا ہے اور اسلام کی یہ دوسری خوبی تھی جس نے مجھے بہت متاثر کیا' مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام ایک مکمل دین اور فطرت کے عین مطابق ہے چنانچہ میں نے اسے دل و جان سے قبول کر لیا۔

سوال! اور اس کا ردعمل آپ کے خاندان پر کیا ہوا؟

جواب! خاندان کے ہر فرد کا ردعمل مختلف نوعیت کا تھا' میرے والد کا سلوک مجھ سے بہت ہی مشفقانہ رہا ہے چنانچہ اگرچہ میں نے اسلام قبول کرنے کے ساتھ اپنا لباس تبدیل کر لیا اور عام طرز زندگی کو یکسر نیا رنگ دے ڈالا مگر ان کی محبت اور سلوک میں کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ ایسا ہوا کہ ایک بار میری پھوپھی آئی اور اس نے مجھے خوب برا بھلا کہا' مجھے سنکی اور قنوطی کے طعنے دیئے تو میرے والد نے میری مدافعت کی تاہم میری والدہ کا طرز عمل خوشگوار نہ تھا اور وہ میری زندگی کے انقلاب پر قطعی خوش نہ ہوئی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض دشواریوں کے باوجود میں خوش نصیب ہوں کہ اپنے والد کے ہاں رہ رہی ہوں اور مجھے ان پریشانیوں سے سابقہ نہیں پڑا جس کی عموماً توقع کی جاتی ہے۔

سوال! میں حیران ہوں کہ آپ کے اندر اتنا بڑا اقدام کرنے کی جرات کیسے پیدا ہو گئی؟

جواب! آپ کی بات درست ہے کہ امریکہ کے اس ماحول میں جہاں مادیت کا دور دورہ ہے اور عیش پرستی اور تفریح پسندی ہی کو زندگی کی معراج سمجھا جاتا ہے وہاں اسلام قبول کرنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا بے حد مشکل کام ہے چنانچہ یہ فیصلہ کرنے سے پہلے میں نے ہزار بار سوچا کہ میرے والدین مجھ سے کیا سلوک کریں گے؟ میری تعلیمات کا کیا بنے گا؟ اور میں اپنے حلقہ احباب میں کیسے زندہ رہوں گی؟ چنانچہ اس نوعیت کے خدشات نے مجھے بہت سخت پریشان کئے رکھا مگر طویل اور گہرے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ ایک وقتی اور عارضی پریشانی کے مقابلے میں جو اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں پیش آسکتی تھی' مسلمان نہ ہونے کے نتائج ذہنی اور روحانی

اعتبار سے زیادہ گمبھیر ہو سکتے ہیں چنانچہ میں نے اللہ سے خوب دعائیں کیں' اس سے مدد اور اعانت طلب کی اور واقعی اللہ نے میری دعائیں سن لیں اور حیرت انگیز طور پر مجھے وہ ہمت اور حوصلہ عطا ہوا کہ میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے قابل ہو گئی۔

سوال! آپ تو ابھی نو عمر ہیں' آپ کا کیا خیال ہے' آپ واقعی اس فیصلے پر مستقل مزاجی سے قائم رہیں گی؟

جواب! مجھے یقین ہے کہ میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہو گی' اندازہ کریں کہ جب میں قبول اسلام کے لئے ایک مسجد میں گئی تو وہاں کے خطیب اور امام نے مجھ پر ذرا بھی دباؤ نہ ڈالا بلکہ مشورہ دیا کہ میں پہلے اسلام کے بارے میں خوب مطالعہ کر لوں اور اگر اس کے بارے میں کوئی معمولی سا بھی اعتراض ہے تو سوالات کر کے اسے رفع کر لوں پھر اسلام قبول کر لوں' اس کے برعکس جن دنوں میں کیتھولک مذہب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ ایک مرتبہ میں کیتھولک چرچ میں گئی تو میرے جاننے والوں نے بہت اصرار کیا کہ میں اس مذہب کو فوراً" قبول کر لوں۔

مجھے اس امر کا بھی اعتماد ہے کہ چونکہ میں نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور میرے شعور نے انہیں مسترد کیا ہے' اس لئے میں نے جس مذہب کا انتخاب کیا ہے وہ ہر لحاظ سے بہترین اور عقل کے عین مطابق ہے' اسی طرح میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ میں نے دو سال سے زائد عرصے تک خوب جم کر اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے اور بہت سے لوگوں سے اس کے بارے میں گفتگوئیں کی ہیں' اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام قبول کرنے میں نہ تو کسی جذباتیت اور عجلت پسندی کا عمل دخل ہے نہ اس سے کوئی دنیاوی مفاد وابستہ ہے' میں نے یہ فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے اور انشاء اللہ اس پر عمر بھر ثابت قدم رہوں گی۔

سوال! آپ نے اسلام قبول کر کے کیا حاصل کیا ہے؟

جواب! اعداد و شمار کے حوالے سے یا دو اور دو چار کے انداز میں یہ بتانا کہ مسلمان ہو کر میں نے یہ اور یہ کچھ حاصل کیا ہے' خاصا مشکل ہے تاہم اسلام قبول کر کے سب سے بڑی کامیابی یہ ملی

کہ زندگی میں وقار اور ایمان کا چلن پیدا ہوا' شب و روز کو مقصدیت نصیب ہوئی اور وہ خلا کی کیفیت جو دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی' ختم ہو گئی پھر یہ نعمت بھی کچھ کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت انسان کے اندرون کو سکون اور تزکیہ سے مالا مال کرتے ہیں' روح میں رفعت اور مقاصد میں بلندی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور انسان سخت سے سخت حالات میں پریشانی اور مایوسی سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل نے میری زندگی کے ہر پہلو کو مثبت طور پر تبدیل کیا ان میں سے بعض تبدیلیاں واضح اور انقلابی نوعیت کی ہیں جب کہ بعض کا تعلق ذہن اور ارادے سے ہے اور وہ اسی نسبت سے لطیف اور غیر نمایاں ہیں۔

سوال! آپ نے اپنے بالوں کو ڈھانپا ہوا ہے' امریکہ کے عریاں ماحول میں آپ کو کیسا لگتا ہے؟

جواب! اس ضمن میں میرے وہی احساسات ہیں جو ایک باعمل مسلمان عورت کے ہو سکتے ہیں۔ میں نے اپنا سر ڈھانپ کر دراصل اس ماحول کی آلودگیوں کے خلاف تحفظ حاصل کیا ہے اور عام عورت نیم برہنگی کی وجہ سے جس خوف اور سراسیمگی کی کیفیت میں مبتلا رہتی ہے اس سے خاصی حد تک نجات پالی ہے۔ پھر میرا سر ڈھانپنا ایک قسم کا علاج بھی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں اللہ نے جو حکم دیا ہے' میں اس کی پیروی کر رہی ہوں۔

سوال! آپ کے نزدیک اس کا سبب کیا ہے کہ امریکہ میں جو لوگ اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں' ان کی غالب اکثریت اسلام کی آغوش میں آجاتی ہے؟

جواب! میرا یقین ہے کہ جو بے شمار لوگ اسلام کی طرف لپکے چلے آرہے ہیں' انہیں اس امر کا احساس ہو گیا ہے کہ موجودہ مغربی طرز زندگی نہ تو اخلاقی قدروں کی پرورش کرتی ہے نہ یہ کسی باوقار اور صاف ستھرے اسلوب حیات کو پروان چڑھاتی ہے جب کہ اس کے برعکس اسلام کی صورت میں وہ ایسی صداقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں' جو انہیں بلند ترین اخلاقی معیارات عطا کرتی ہے اور ان معیارات کو حاصل کرنے کا وہ مطمع نظر دیتی ہے جو حقیقت پسندی پر مبنی ہے' فطری ہے اور باوقار بھی۔ خاص اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اسلام مغرب کی تنگ نظری سے بہت بلند و بالا

ہے اور انسانوں کو مادیت اور نسل پرستی سے ہٹا کر خالص انسانی شرف کی بنا پر مخاطب کرتا ہے۔

سوال! امریکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت سیاہ فاموں پر مشتمل ہے' آپ کے خیال میں یہ مبارک پیغام سفید فاموں تک رسائی حاصل کرنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو سکا؟

جواب! اس معاملے میں میں کوئی ماہرانہ رائے تو نہیں دے سکتی تاہم میرا ایک نقطہ نظر ہے اور وہ یہ کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں وہ بالعموم موجودہ نظام کے ستم زدہ ہوتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امریکہ میں بے چارے سیاہ فام بڑے ہی مظلوم ہیں اور جب وہ دائرہ اسلام میں آتے ہیں تو انہیں حقارت اور ظلم و جور کی بجائے محبت' مساوات اور احترام ملتا ہے تو ان کی پریشان اور افسردہ روحوں کو قرار مل جاتا ہے۔

سیاہ فاموں کے اسلام کی طرف لپکنے کا ایک سبب اور بھی ہے' وہ جان گئے ہیں کہ افریقہ میں ان کے آباؤ اجداد کا مذہب اسلام تھا اور جب انہیں زبردستی اغواء کر کے امریکہ لایا گیا تو ان سے یہ نعمت چھین لی گئی چنانچہ اسلام قبول کر کے دراصل وہ اپنے دین کی طرف لوٹتے ہیں۔

سوال! امریکہ کے اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ یہ واویلا کرتے نہیں تھکتے کہ اسلام کا رویہ عورت کے معاملے میں غیر مناسب ہے۔ آپ ایک تعلیم یافتہ سفید فام خاتون ہیں' ان کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے؟

جواب! اس سوال کا جواب اتنے تھوڑے وقت میں نہیں دیا جا سکتا یہ موضوع تو ایک کتاب کا متقاضی ہے' مختصراً" کہوں گی کہ یہ بات حقیقت کے برعکس ہے اور یہ الزام عموماً" ان لوگوں کی طرف سے دہرایا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے یکسر بے خبر ہیں وہ فرض کر لیتے ہیں کہ جب اسلامی معاشرت میں مرد اور عورت کا میدان کار الگ الگ ہے تو لازماً" عورت ظلم کا شکار ہوتی ہے حالانکہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

اس کے برعکس۔۔۔۔۔۔ میں اپنے ملک کی صورت حال پیش کرتی ہوں یہاں برابری اور مساوات کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ معاشرے میں عورت وہ سب کچھ کرے جو مرد کرتا ہے لیکن عملاً" ہوتا یہ ہے کہ عورت مرد کی طرح کماتی بھی ہے اور گھر کا بھی سارا کام کرتی ہے جہاں مرد اس

کے ساتھ شراکت نہیں کرتا، پھر ظاہر ہے مساوات کہاں رہی؟ اور جن گھرانوں میں ماں اور باپ دونوں کام کرتے ہیں وہاں بچوں کا جو حال ہوتا ہے وہ ظلم اور استحصال کی ایک افسوسناک مثال ہے۔ اس معاملے میں ایک اور پہلو بھی ہے، یورپ کے ذرائع ابلاغ اور اخبارات عام طور پر عالم اسلام کی حکومتوں کے طرز عمل اور مختلف افراد کے ذاتی رویے سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہی کچھ اسلام کی تعلیم ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے چنانچہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر ان کی صحیح روح کے ساتھ عمل کریں اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے سچے ترجمان بنیں۔

سوال! امریکہ میں جو غیر مسلم خواتین اسلام قبول کرنا چاہتی ہیں، ان کے نام آپ کا کیا پیغام ہے؟

جواب! ان بہنوں کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کریں اور خوب توجہ سے غور و فکر کریں میں اسی راستے سے اسلام کی منزل مقصود پر پہنچی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ خوف زدہ ہرگز نہ ہوں اگر آپ نے صراط مستقیم تک پہنچنے کا ارادہ کرلیا تو اللہ اپنے فضل سے آپ کی مدد فرمائے گا۔

سوال! آپ میری لائق شاگرد ہیں، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مستقبل میں آپ اپنی صلاحیتوں کو خدمت دین کے لئے کس طرح کام میں لائیں گی۔

جواب! میرا ارادہ ہے کہ میں کسی اسلامک سکول میں ٹیچر بن جاؤں، اپنے شاگردوں تک اسلام کی سچی تعلیم منتقل کروں اور دوسرے لوگوں تک بھی اسلام کا سچا پیغام پہنچاؤں، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ میں اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

سستی اور کاہلی مومن کے دشمن ہیں

(محمد بشیر جمعہ)

آپ نے وہ واقعہ ضرور سنا ہوگا کہ ایک بچے نے انسان کی تصویر درست جوڑ کر دنیا کا بگڑا ہوا نقشہ ٹھیک کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو اور جس قسم کی بھی اصلاح چاہتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرے اور اپنی ذات کی تنظیم کی طرف توجہ دے۔ ہمارے گھروں کا' ہمارے دفتروں کا' ہمارے محلوں اور علاقوں' ہمارے معاشرے کا اور زندگی کے جن جن معاملات سے ہمارا تعلق ہے' وہاں کا نقشہ بگڑا ہوا ہے۔ اس نقشے کی درستی کے لئے ضروری ہے کہ ہم انسان کی تصویر کو ٹھیک کریں۔ یہ انسان کی تصویر درحقیت میری اور آپ کی تصویر ہے یہ بکھری پڑی ہے اسے جوڑنا ضروری ہے ہم اپنے ماحول کی اصلاح اور حالات کی درستی کی کوشش کرتے ہیں تاکہ نقشہ ٹھیک ہو جائے لیکن ہم کامیاب نہیں ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے تصویر بکھری ہوئی ہے۔ تصویر اس لئے بکھری ہوئی ہے کہ

ہمارے ارادے اور عزائم ضعیف ہو چکے ہیں' ہماری طبیعت میں سستی اور کاہلی آ گئی ہے' ہمارے معاملات میں تساہل پیدا ہو گیا ہے' ہم آج کے کام کو کل پر ٹالتے ہیں۔ ہم "پھر کبھی" کا شکار ہیں' فیصلوں میں اتنی تاخیر ہوتی ہے کہ بس نکل جاتی ہے' ٹرین چھوٹ جاتی ہے اور فلائٹ چلی جاتی ہے' ہم اتنے ڈرپوک ہو گئے ہیں کہ قسمت کامیابی کے دروازے پر دستک دیتی ہے اور ہم اسے کھولتے تک نہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی میں سستی اور کاہلی آ گئی ہے اور ہم نے "کل" پر بھروسہ کیا ہوا ہے۔

ہمارے دشمن

یہ "تساہل"' (سست روی)' "ٹال مٹول"' "تاخیر" اور "پھر کبھی" ہمارے دشمن ہیں' ہمارے اور ہمارے مستقبل کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں۔ یہ نشہ آور چیزوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ جو

شخص نشہ کرتا ہے وہ معاشرہ سے کافی حد تک کٹ جاتا ہے مگر تساہل اور سست روی کا شکار فرد معاشرے میں شامل رہ کر معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔

امام عبدالرحمن ابن جوزی (511-597ھ) نے اپنی کتاب منہاج القاصدین میں توبہ کے باب میں تسویف (آئندہ کرلوں گا) کے بارے میں لکھا ہے۔ آئندہ پر ٹالنے والے بالعموم ہلاک ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی جیسی دو چیزوں میں فرق کر جاتے ہیں۔ آئندہ پر ٹالنے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے ایک درخت اکھاڑنا ہو۔ وہ دیکھے کہ درخت بہت مضبوط ہے' شدید مشقت سے اکھڑے گا' تو وہ کہے کہ میں ایک سال کے بعد اس کو اکھاڑنے کے لئے آؤں گا وہ یہ نہیں جانتا کہ درخت جتنی مدت باقی رہے گا' مضبوط ہوتا جائے گا اور خود اس کی عمر گزرتی جائے گی' وہ کمزور ہوتا جائے گا۔ جب وہ طاقتور ہونے کے باوجود درخت کی کمزوری کی حالت میں اسے نہیں اکھاڑ سکتا تو جب وہ کمزور ہو جائے گا اور درخت زیادہ طاقتور' تو پھر اس پر کیسے غالب آسکے گا"

تساہل کیا ہے؟

مزاج اور رویئے کے باعث اہم چیزوں کو غیر اہم امور کے مقابلے میں موخر کرنے کے عمل کو ہم تساہل یا ٹال مٹول کہتے ہیں۔

ہم بعض اہم کاموں کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں کرنے کا موڈ نہیں ہوتا' بعض اوقات اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں کرنے کا مناسب وقت اور سکون میسر نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ کرنے کے لئے ابھی کافی وقت اور عمر باقی ہے۔ ہم اللہ کی نعمت "وقت" کو رائیگاں کرتے رہتے ہیں۔ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے "جونہی آنے والے دن کی پو پھٹتی ہے تو وہ آواز لگاتا ہے اے آدم کی اولاد! میں اللہ کی نئی تخلیق ہوں اور تمہارے اعمال کا گواہ' اس لئے مجھ سے جتنا زیادہ زاد راہ لے سکتے ہو لیلو' میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا"۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو دو دھڑکے لگے رہتے ہیں' ایک اس کا ماضی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے کیا نتائج ظاہر کرے گا اور دوسرا اس کا مستقبل جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ

تعالیٰ نے اس کے متعلق کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس لئے آدمی کو اپنی جان کی خاطر اپنی جان کو' آخرت کی خاطر دنیا کو' بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو کام میں لانا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ٹال مٹول شیطان کا شعار ہے' جس کو وہ مسلمانوں کے دلوں میں ڈالتا ہے' امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ عمر کے سانسوں میں سے ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے جس کا معاوضہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

ہماری زندگی میں "کل" کا لفظ بھی ایک دھوکہ ہے جو انسان کو وقت کو ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے۔ انسان کی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو "کل" کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں' اتنی حماقتوں' اتنی وعدہ خلافیوں' اتنی بے جا امیدوں' اتنی غفلتوں' اتنی بے پرواہیوں اور اتنی برباد ہونے والی زندگی کے لئے جواب دہ ہو۔ کیونکہ اس کی آنے والی "کل" یعنی "فردا" کبھی نہیں آتی۔ وقت ایک دفعہ گزر گیا' مرگیا تو اس کو پڑا رہنے دو اب اس کے ساتھ اور کچھ نہیں کرنا ہے سوائے اس کے کہ اس کی قبر پر آنسو بہاؤ۔ آج کی طرف لوٹ آؤ مگر لوگ اس کی طرف نہیں لوٹتے اور عملاً "فردا" کو کبھی "امروز" نہیں ہونے دیتے

داناؤں کے رجسٹروں میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا' البتہ بے وقوفوں کی جنتریوں میں یہ بکثرت مل سکتا ہے۔ یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل دے دیا جائے گا' کل کا لفظ تو ایسے لوگوں کے لئے ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر "کل" کا تعاقب کرتے ہوئے کھودی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودی۔ ہم اسی دھوکے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے کہ "کل" ہمارے لئے اچھی اچھی نعمتیں اور فائدہ مند اشیاء لائے گا مگر وہ تو آتا ہی نہیں۔ اسی طرح "پھر کبھی" ہے' جو کام مکمل ہو سکتا ہے وہ آج کیوں کریں اور آنے والا "کل" خود کام کے لئے ساز گار حالات پیدا کرے گا۔ یہ رویہ یقیناً ہم لوگوں کے لئے بحیثیت قوم اور بحیثیت فرد نقصان دہ ہے۔

ہم اہم اور ضروری نوعیت کے کام جن کی تکمیل سے ہمارا ذاتی، معاشی، معاشرتی اور قومی مفاد وابستہ ہے، خوامخواہ ملتوی کر لیتے ہیں اور انکی بجائے ایسے کام کرنے لگتے ہیں جن کی بہت ضرورت نہیں ہوتی بس ہم اس لئے دوسرے کام کرنے لگتے ہیں کہ اس میں لذت ملتی ہے، طبیعت کے تساہل کو عذر فراہم ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ مل جاتا ہے۔

امام ابن جوزیؒ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ اگر صفرا کی زیادتی کا مریض سکنجبین پینے کی بجائے سکنجبین بنانے کی ترکیب سیکھنے میں عمر برباد کر دے تو وہ یقیناً دھوکے میں مبتلا ہے۔ آگے فرمایا "خوش قسمت وہ ہے جو اپنی اہم ضرورت کو حاصل کرے، دوسری کو چھوڑ دے، عمل کی طرف توجہ کرے اور اسی کو مقصود اصل جانے"

تساہل کے اثرات

تساہل ایک مرض ہے۔ اس کے اثرات بھی سخت ہیں۔ ذیل میں اس موضوع کے دو ماہرین جین بھی برکا اور لینورا ایم یو آن کی کتاب PROCRASTINATION سے ان اثرات کی فہرست دی جارہی ہے۔

ممکنہ خارجی اثرات

اعتماد میں عزت اور کمی، دوستوں اور اہل خاندان کے ساتھ تنازعات، ساتھیوں اور ہم عصر افراد سے اختلاف و ناراضی، افسر بالا سے اختلاف و ناراضی، ملازمت کا نقصان یا بے دخلی، سرکاری جرمانے، مالیاتی نقصان، حادثات یا جسمانی تکلیف۔

ممکنہ داخلی اثرات

احساس کمتری، شرمندگی اور پشیمانی، پریشانی، یکسوئی کا نہ ہونا، سرگرمیوں میں شریک نہ ہونا، خود ملامتی، اضطراب، گھٹن، جسمانی تکلیف یا بیماری، تنہائی پسندی

جاگتے کو جگانا ہے

ہم تساہل کی اس بیماری کے باعث اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے، نہ آخرت کی تیاری کرتے

ہیں اور نہ دنیا بناتے ہیں۔ زندگی میں ناکامی زنجیروں کی طرح پیروں کو جکڑ لیتی ہے اور حسرت اور ملامتیں مستقبل کا سامان بن جاتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سوتے کو جگانا آسان اور جاگتے کو جگانا مشکل ہے۔ ہم اور آپ جا رہے ہیں مگر بستر سے اٹھ نہیں رہے' ہمیں جاگنا ہے اور مقصد حیات کے حصول کے لئے کام کرنا ہے۔ دنیا میں دو چیزوں کے وقت کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ ایک تو یہ کہ رات کو نیند کب آئی۔ دوسرے کسی قوم کا زوال کب شروع ہوا۔ یہ اس قوم کو پتہ نہیں چلتا البتہ اس کے نقصانات آئندہ نسلوں کو پہنچتے ہیں۔ ہمارے زوال اور انحطاط کی بہت بڑی وجہ یہ تساہل اور کاہلی ہے' نااہلی ہے' عدم توجہی ہے' مقصد کے شعور کی کمی ہے' نتیجہ ہے کہ گھر کے معاملات سے لے کر قومی معاملات تک میں الجھاؤ ہے اور منٹوں کے کام مہینوں میں بھی نہیں ہوتے اور ہم خوار ہو کر رہ گئے ہیں۔

اپنی ذات کا جائزہ لیجئے' پھر اپنے گھر کا' پھر اپنے ادارے' معاشرے' بلدیاتی' صوبائی اور وفاقی حکومت کا' ہر سطح پر آپ کو تساہل اور سست روی کا سامنا ہے۔ یہ قومی بیماری نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ زوال کی علامت نہیں تو اور کیا ہے' یہ بیماری اور نشہ ہیروئن اور افیون سے کچھ کم نہیں ہے۔

انتظار مت کیجئے

ذرا اپنا جائزہ لیجئے کہ ماضی میں آپ کتنا وقت صرف فرصت و فراغت کے اور حالات کی درستی کے انتظار میں گزارتے رہے ہیں۔ ایک فہرست تو بنائیے کہ آج تک آپ کیا حاصل کرنا چاہتے تھے اور اب تک کیا کچھ حاصل کر چکے ہیں۔ جو حاصل نہیں کر سکے اس کی قابل قبول وجوہات تھیں یا محض اپنی نفس پرستی' سستی' کاہلی اور خوف خدا کی کمی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

آدمی کا کمال

(امام ابو حامد محمد الغزالیؒ)

اے ابن آدم! شاید تم یہ کہو کہ آدمی میں چونکہ درندوں، چارپایوں اور شیطانوں کی صفات موجود ہیں تو ہم کیسے سمجھیں کہ ملکیت یا فرشتہ پن اس کی اصل ہیں اور باقی چیزیں عارضی ہیں۔ اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ آدمی فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور باقی صفات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو تجھے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آدمی چارپایوں اور درندوں سے اشرف اور افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جو کمال عطا کر رکھا ہے وہی اس کے لئے نہایت اور انتہا ہے اور اسی واسطے اسے پیدا کیا ہے۔ مثلاً" گھوڑا گدھے کے مقابلہ میں زیادہ عزت والا ہے کیونکہ گدھا محض بوجھ اٹھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور گھوڑا لڑائی اور جہاد میں دوڑانے کے واسطے تاکہ شہسوار اسے اپنی مرضی سے دوڑا سکے حالانکہ وہ گدھے کی طرح بوجھ بھی اٹھا سکتا ہے لیکن گدھے کے مقابلہ میں اسے اضافی کمال ملا ہے۔ اگر وہ اپنے کمال سے محروم ہو جائے تو وہ بھی گدھے کی مانند ہو جائے گا اور محض بوجھ اٹھانے کے قابل رہ جائے گا۔ اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم محض کھانے پینے اور تعلقات زن و شوئی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ساری عمر اسی میں گنوا دیتے ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کو زیر کرنے اور ان پر غلبہ جمانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسے عرب، ترک اور کرد اقوام ہیں۔ یہ دونوں خیال غلط ہیں اس واسطے کہ کھانا پینا اور تعلقات زن و شوئی کا دارومدار جس خواہش پر ہے وہ جانوروں میں بھی موجود ہے بلکہ کئی جانور کھانے اور جماع کے اعتبار سے انسان سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں تو پھر آدمی ان سے افضل کیسے ہوا؟! اسی طرح دوسروں کو مغلوب کرنا غصہ کے سبب ہوتا ہے اور غصہ جیسا پرندوں اور درندوں کو ملا ہے ویسا ہی انسان کو بھی ملا ہے تو پھر فرق کیا ہوا؟! اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اس کے علاوہ ایک خاص کمال نصیب ہوا ہے اور وہ عقل ہے کہ اس کے سبب وہ اپنے مالک کو پہچانتا اور اس کی عجیب و غریب

صنعتوں کو جانتا اور عقل کی وجہ ہی سے آدمی اپنے غصہ اور ہوا و ہوس سے نجات حاصل کرتا ہے اور یہی فرشتوں کی صفت ہے اور اسی کے سبب آدمی چرندوں' پرندوں بلکہ سب مخلوقات پر غالب اور ان سے افضل ہے اور جو کچھ اس زمین میں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے آدمی کے تابع بنایا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا وسخرلکم مافی الارض جمیعا

☆۔ آدمی کی حقیقت وہی ہے جس پر اس کے کمال کا دارومدار ہے اور باقی صفات تو محض عارضی ہیں اور آدمی کے کمال کے واسطے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو نہ ہوس باقی رہتی ہے نہ غصہ بلکہ ایک جوہر رہ جاتا ہے جو فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت سے آراستہ ہوتا ہے اور وہی انسان کا رفیق ہوتا ہے۔ یا پھر اس کے ساتھ ایک اندھی تاریک شے ہوتی ہے۔ تاریک اس سبب سے ہوئی کہ گناہ کی وجہ سے اسے زنگ لگ گیا اور اندھی اس وجہ سے ہوئی کہ غصہ' نفرت' حسد اور بغض وغیرہ سے آرام اور لطف حاصل کرتی تھی۔ اور یہ سب مرغوب چیزیں نیچے والی دنیا میں رہ جائیں گی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اپنا سر جھکا کر نیچے ہی دیکھتی ہو گی۔ سورت السجدہ میں اسی حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "اگر تم مجرموں کو اس روز دیکھو کہ اپنے رب کے سامنے بھی اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے"

☆۔ دل کی دنیا کے جو عجائبات ہیں ان کی انتہا نہیں اور دل کی بزرگی اور شرافت دو وجہ سے ہے ایک تو علم کے سبب اور دوسرے قدرت کے سبب۔ علم کی وجہ سے جو بزرگی ہے وہ دو قسموں پر مشتمل ہے ایک تو ساری مخلوق جان سکتی ہے اور دوسری پوشیدہ اور عمدہ ہے اور اسے کوئی نہیں پہچان سکتا۔ وہ صورت جسے سب جان سکتے ہیں یہ ہے کہ تمام علوم و صنائع کی معرفت کی قوت اسے حاصل ہے اور اسی قوت کے سبب وہ تمام صنائع کو پہچان اور جان لیتا ہے اور جو کچھ کتابوں میں مدون ہے اسے پڑھ لیتا ہے۔ جیسے ہندسہ' حساب' طب' نجوم اور علم شریعت وغیرہ۔ اس کے باوجود دل کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے مگر اس میں تمام علوم سما جاتے ہیں۔ بلکہ اس کی وسعت کے اعتبار سے سارا جہان ایسا ہے جیسے صحرا میں ایک ذرہ اور لحہ بھر میں زمین سے آسمان تک اور مشرق سے مغرب تک دل اپنی فکر اور حرکت سے پہنچ جاتا ہے۔ اور باوجود یہ کہ یہ زمین پر ہے لیکن تمام آسمان کو ناپتا اور ستاروں کے فاصلوں کو جانتا ہے۔ یہ مچھلی کو حیلہ کے زریعے دریا سے باہر نکالتا اور پرندے کو ہوا

سے زمین پر لا پھینکتا ہے اور اونٹ، گھوڑے اور ہاتھی جیسے زور آور جانوروں کو اپنا مطیع کرلیتا ہے۔

اس جہان میں جو جو علوم ہیں وہ اس کا پیشہ ہیں اور یہ سب انہی پانچ حواس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب حواس کو دل کی طرف راہ ہے۔ جس طرح عالم محسوسات یعنی مادی عالم کی خاطر ظاہری حواس دل کے دروازے ہیں اسی طرح عالم ملکوت یا روحانی عالم کی طرف بھی دل میں ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اکثر لوگ صرف مادی عالم ہی سے آشنا ہوتے ہیں اور حواس ظاہری کو ہی علم کا واسطہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں درحقیقت ذرا ذرا سے ہیں۔ جہاں تک دل کا تعلق ہے اس کے بہت دروازے ہیں جو علوم کی خاطر کھلے ہیں۔ اس پر دو دلیلیں ہیں۔ پہلی خواب ہے کہ جب آدمی سو جاتا ہے تو ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور دل یا روح کا دروازہ کھل جاتا ہے اور عالم ارواح اور لوح محفوظ میں غیب کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے یا تو دیکھائی دینے لگتا ہے یا صاف معلوم ہو جاتا ہے یا پھر مثال میں نظر آتا ہے تو تعبیر کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ عام طور پر جو جاگتا رہتا ہے لوگ اس کو معرفت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ جاگنے کی حالت میں حواس کے ذریعے غیب کی چیزیں نظر نہیں آتیں۔

خواب کی حقیقت جاننے کے لئے اجمالی طور پر اتنا سمجھ لیں کہ دل ایک چھوٹے سے آئینے کی مانند ہے اور لوح محفوظ اس بڑے آئینے کی مانند ہے جس میں سب موجودات کی تصویریں ہیں۔ صاف آئینے کو جب تصویر والے آئینے کے سامنے کرتے ہیں تو اس میں سب تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اسی طرح دل جب آئینے کی طرح صاف ہو اور محسوسات سے قطع تعلق کرلے تو اسے لوح محفوظ سے مناسبت ہو جاتی ہے اور پھر موجودات کی تصاویر دل میں نظر آنے لگتی ہیں۔ دل جب تک محسوسات میں مشغول رہتا اور عالم روحانی کی سیر کرتا ہے چونکہ خواب میں حواس تو علیحدہ ہو جاتے ہیں لیکن خیال باقی رہتا ہے اسی وجہ سے عالم مثال میں خیال نظر آتا ہے اور صاف حال نہیں کھلتا۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو نہ خیال باقی رہتا ہے نہ حواس۔ اس وقت کوئی آڑ نہیں رہتی اور سارا معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت آدمی سے کہا جاتا ہے۔

فکشفنا عنک عطاءک فبصرک الیوم حدید "پس ہم نے تمہارا پردہ تم سے ہٹا دیا ہے اور آج تمہاری نظر لوہا یعنی بہت تیز ہو گئی ہے"

توبہ و استغفار کے آداب

(حافظ محمد یاسین)

توبہ کرنے میں کبھی تاخیر نہ کیجئے زندگی کا حال کسی کو معلوم نہیں کب مہلت عمل ختم ہو جائے۔

کچھ خبر نہیں کہ اگلہ لمحہ زندگی کا لمحہ ہے یا موت کا ہر وقت انجام کا دھیان رکھئے اور توبہ و استغفار کے ذریعے قلب و روح اور ذہن و زبان کو گناہوں سے دھوتے رہیے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ

”خدا رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ جس شخص نے دن میں کوئی گناہ کیا ہے وہ رات میں خدا کی طرف پلٹ آئے اور وہ دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں اگر کسی نے کوئی گناہ کیا ہے تو وہ دن میں اپنے رب کی طرف پلٹے اور گناہوں کی معافی مانگے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (مسلم)

خدا کے ہاتھ پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنی رحمت سے ان کے گناہوں کو ڈھانپنا چاہتا ہے اگر بندے نے کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر کوئی گناہ کر لیا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے رحیم و غفور خدا کی طرف دوڑے اور ذرا تاخیر نہ کرے کہ گناہ سے گناہ پیدا ہوتا ہے اور شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہوا ہے اور وہ اس کو گمراہ کرنے کی فکر سے کسی وقت بھی بے فکر نہیں ہے۔

نہایت سچے دل سے خلوص نیت کے ساتھ ایسی توبہ کیجئے جو آپ کی زندگی کی کایا پلٹ دے اور توبہ کے بعد آپ ایک دوسرے ہی انسان نظر آئیں۔ خدا کا فرمان ہے۔

”اے مومنو خدا کے آگے سچی اور خالص توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس دن خدا اپنے رسول کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لا کر اس کے ساتھ ہو لئے ہیں رسوا نہ کرے گا“ (التحریم)

یعنی ایسی توبہ کیجئے کہ پھر قلب و ذہن کے کسی گوشے میں بھی گناہ کی طرف پلٹنے کا کوئی شائبہ باقی نہ رہ جائے۔ ایسی توبہ کے تین یا چار اجزاء ہیں اگر گناہ کا تعلق خدا کے حق سے ہے تو توبہ کے تین اجزاء ہیں۔

انسان واقعی اپنے گناہوں کے احساس سے شرمسار ہو۔

آئندہ گناہ سے بچنے کا پختہ عزم رکھے۔

اور اپنی زندگی کو سنوارنے اور سدھارنے میں پورے انہماک اور فکر کے ساتھ سرگرم ہو جائے اور اگر اس نے کسی بندے کی حق تلفی کی ہے تو توبہ کا چوتھا جزیہ ہے کہ

بندے کا حق ادا کرے یا اس سے معاف کرائے۔ یہی وہ توبہ ہے جس سے واقعی انسان گناہوں سے دھل جاتا ہے۔

اس کا ایک ایک گناہ زندگی کی روح سے ٹپک کر گر جاتا ہے اور وہ اعمال صالحہ سے سنور کر آراستہ زندگی کے ساتھ خدا کے حضور پہنچتا ہے اور اللہ اس کو اپنی جنت میں ٹھکانا بخشتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے "بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ اب اگر وہ گناہ سے باز آ جائے، اپنے گناہوں کے احساس سے نادم ہو کر بخشش کا طلبگار ہو اور خدا کی طرف پلٹ کر گناہ سے بچنے کا عزم مصمم کرے تو خدا اس کے قلب کو جلا بخش دیتا ہے اور اگر وہ گناہ کر بیٹھے تو اس سیاہ داغ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

ہرگز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کے قلوب پر ان کے برے کرتوتوں کا زنگ چڑھ گیا ہے۔

اپنی توبہ پر قائم رہنے کا پختہ عزم کیجئے اور شب و روز دھیان رکھئے کہ خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان کے خلاف کوئی حرکت نہ ہونے پائے اور اپنی روز افزوں پاکیزگی اور اصلاح حال سے اپنے عزم کا اندازہ کرتے رہیے اور اگر اپنی ساری کوششوں کے باوجود بھی آپ پھسل جائیں اور پھر کوئی خطا کر بیٹھیں تب بھی مایوس ہرگز نہ ہوں، بلکہ پھر خدا کے دامن مغفرت میں پناہ تلاش کیجئے اور خدا کے حضور گڑگڑائیے کہ پروردگار میں بہت کمزور ہوں، لیکن تو مجھے اپنے در سے ذلت کے ساتھ نہ نکال اس لئے کہ میرے لئے تیرے در کے سوا اور کوئی در نہیں ہے جہاں جا کر میں پناہ لوں۔ خدا کو سب سے زیادہ خوشی جس چیز سے ہوتی ہے وہ بندے کی توبہ ہے، توبہ کے معنی ہیں پلٹنا رجوع کرنا، بندہ جب فکر و جذبات کی گمراہی میں مبتلا ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنستا ہے تو وہ خدا سے بچھڑ جاتا ہے اور بہت دور جا پڑتا ہے گویا خدا سے وہ گم ہو

گیا اور جب وہ پھر پلٹتا ہے اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یوں سمجھئے کہ گویا خدا کو اپنا گم شدہ بندہ پھر مل گیا اس پوری کیفیت کو نبی اکرم ﷺ نے انتہائی بلیغ تمثیل میں یوں بیان فرمایا ہے آپؐ نے فرمایا۔

''اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں گم ہو گیا ہو اور اس شخص کا کھانے پینے کا سامان بھی اسی گم ہونے والے اونٹ پر لدا ہوا ہو اور وہ شخص چاروں طرف اس لق و دق صحرا میں اپنے اونٹ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو چکا ہو پھر وہ زندگی سے بے آس ہو کر کسی درخت کے نیچے موت کے انتظار میں لیٹ رہا ہو۔ ٹھیک اسی حالت میں وہ اپنے اونٹ کو سارے سامان سے لدا ہوا اپنے پاس کھڑا دیکھے تو تصور تو کرو اس کو کتنی خوشی ہو گی۔ تمہارا پروردگار اس شخص سے بھی کہیں زیادہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب تم میں سے کوئی بھٹکا ہوا بندہ اس کی طرف پھر پلٹتا ہے اور گمراہی کے بعد پھر وہ فرمانبرداری کی روش اختیار کرتا ہے۔ (ترمذی)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اسی حقیقت کو ایک اور تمثیل میں واضح فرمایا ہے جو نہایت ہی اثر انگیز ہے۔

ایک موقع پر کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ مامتا کی ماری ایسی بے قرار تھی کہ جس چھوٹے بچے کو پا لیتی اپنی چھاتی سے لگا کر دودھ پلانے لگتی اس عورت کا یہ حال دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ صحابہ نے کہا ''یا رسول اللہ! خود پھینکنا تو درکنار، وہ اگر گرتا ہو تو یہ جان کی بازی لگا کر اس کو بچائے گی''

اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا'' خدا اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحیم اور مہربان ہے جتنی یہ ماں اپنے بچے پر مہربان ہے''

توبہ اور استغفار برابر کرتے رہیے صبح سے شام تک انسان سے نہ معلوم کتنی خطائیں ہوتی رہتی ہیں اور بعض اوقات خود انسان کو ان کا شعور نہیں ہو پاتا۔ یہ نہ سوچئے کہ کوئی بڑا گناہ ہو جانے پر ہی توبہ کی ضرورت ہے، انسان ہر وقت توبہ و استغفار کا محتاج ہے اور قدم قدم پر اس سے کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں خود نبی پاک ﷺ دن میں ستر، ستر اور سو، سو بار توبہ و استغفار فرماتے تھے (بخاری، مسلم)

(ماخوذ از آداب زندگی)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (...)
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے

چراغ راہ
پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے

حقیقت وحدت الوجود
پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ
- ادارہ اسلامیات 190 نئی انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر 9 'S.T بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تاکہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں۔

اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعویٰ انا الحق کی توجیہ۔
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی تعلیمات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر تحقیقی بحث و تنقید کے بعد حقیقت منکشف کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور بالخصوص طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تاکہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الووجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔